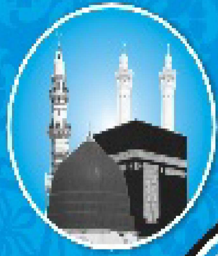
یا اللہ مدد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | حق چار یار





اکابر اہل سنت (دیوبند) بالخصوص

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

128-129

اکتوبر، نومبر 2021ء — ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ

بانی ادارہ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

سرپرست: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

میری بعض تحریروں سے کچھ قارئین کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ جاوید غامدی صاحب سے میرے اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ منکرِ حدیث تو وہ ہیں ہی، لیکن ان کی اصل غلطی یہ نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ دین کی تمام نصوصِ مطہرہ کو مغربیت کی گاڑی میں جوتنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس اعتبار سے انکارِ حدیث انہیں موافق آیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ہولناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تعبیر پر بھی استعماری جدیدیت کی حاکمیت قائم کرنے کی سعی کی ہے۔ قرآن مجید کی متجددانہ اور استعماری تعبیر اور انکارِ حدیث مقاصد نہیں، ذرائع ہیں۔ [ص: ۸۷]

مظہر پریس دار المطالعہ

0312 4612774 0334-4612774

khadim.khan4@yahoo.com

hamza.ehsani44@gmail.com

علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر......اجمالی خاکہ

باب ۱: مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی، مولانا حبیب الرحمٰن سومرو، مولانا مفتی جمیل الرحمٰن کے کلمات تبریک
مولانا عبد الجبار سلفی کا پیش لفظ، اداریہ اور اشاعت خاص: ارادہ سے تکمیل تک کی کارگزاری

باب ۲: مفتی محمد حسن امرتسری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاری محمد طیب قاسمی، مولانا نور الحسن بخاری، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا عبید اللہ انور، مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک، مولانا عبد اللہ درخواستی، مولانا یوسف لدھیانوی رحمہم اللہ کے تاثرات

باب ۳: دار العلوم مدنیہ، تحریک خدام، تنظیم اہل سنت، جامعہ اشرفیہ، مولانا عبد الستار تونسوی، مولانا خواجہ خان محمد، مولانا عبد المجید لدھیانوی، مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی، مولانا محمد نافع اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہم اللہ سے تعلقات

باب ۴: مولانا ابو القاسم نعمانی، مولانا عبد الرزاق اسکندرؒ، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر، مولانا مفتی زرولی خانؒ، مولانا محمد حسن، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا مسعود ازہر، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ، مولانا احمد لدھیانوی، مولانا الیاس فیصل، مولانا سید اکبر شاہ بخاری، مولانا احمد بزرگ ڈابھیل کے پیغامات

باب ۵: مولانا احسان الحق چاریاری، مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ، مولانا عبد الجبار سلفی، جناب ہمایوں صادق، مولانا مفتی فیض الرحمٰن، مولانا عبد الغفور، مولانا صہیب ظفر، سید عبد الماجد شاہ کے سوانحی مقالات

باب ۶: پروفیسر بشیر حسین حامد، مولانا مفتی رفیق بالاکوٹی، مولانا اسلم معاویہ کے تصنیفات پر تبصرہ جات

باب ۷: مولانا رنگونی، مولانا سلمان منصور پوری، مولانا عبد القیوم حقانی، مولانا اللہ وسایا، مولانا ازہر، مولانا عبد القدوس ترمذی، مولانا اعجاز مصطفیٰ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا زبیر صدیقی کے ادارتی خیالات

باب ۸: مولانا عبد العلیم لکھنو، مولانا منیر منور، مولانا انوار الحق، مولانا ظفر قاسم، مفتی شیر محمد، مفتی خالد محمود، پروفیسر اسلم بیگ، مولانا عبد الرؤف چشتی، مولانا جلیل اخون، مفتی محمد طیب، مفتی محمد طاہر مسعود، پروفیسر خواجہ ابو الکلام، مفتی احمد ممتاز، مولانا عرفان الحق، مولانا شفیق سلیم، مولانا محبوب احمد کے مضامین و مقالات

باب ۹، حصہ اول: مولانا دھرمکوٹی، مفتی رویس خان، مفتی امداد اللہ انور، مولانا عطاء اللہ کی افاداتی تحریرات
دوم: مولانا خالد محمود، مولانا اسماعیل ریحان، مفتی طارق محمود، مولانا ابو ایوب، مولانا مجیب الرحمٰن کی تحریرات
سوم: مکاتیب، درس حدیث، سبق تقابل ادیان، خطبات، مقدمات، مناظرہ نائیجیریا، مناظرہ چک ذخیرہ

باب ۱۰: انجم نیازی، اثر جونپوری، لیاقت فاروقی، اطہر ہاشمی، امجد ولی، عطاء الحق قلبی کے منظومات

ترتیب

اہم اعلان

مجلّہ صفدر ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' اِن شاء اللہ العزیز نومبر ۲۰۲۱ء کے وسط میں دستیاب ہوگا۔
اِس اشاعتِ خاص کی غیر معمولی ضخامت اور ہوش ربا مہنگائی کے باعث محدود اشاعت ہے۔
لٰہذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ تبادلے یا اعزازی نسخے کا انتظار نہ فرمائیں۔
خریدار قارئین کو بھی مکمل قیمت ارسال کرنے پر ہی ''خاص نمبر'' بھیجا جائے گا۔
البتہ جن قارئین کا زرسالانہ جمع ہے، اُن سے ڈاک خرچ نہیں لیا جائے گا۔
اشتہار پر درج تفصیلات کے مطابق رقم بھیج کر یہ ''خاص نمبر'' طلب کیا جاسکتا ہے۔
جن قارئین کا زرسالانہ جمع ہے، جب تک رقم باقی ہے، اُن کے نام ''صفدر'' جاری رہے گا۔
مجلّہ کی اشاعت کے تعطل کے نو (۹) ماہ کو نفی کرکے اُن کی رقم اکتوبر ۲۰۲۱ء سے شمار کی جائے گی۔

مجلّہ صفدر، حمزہ احسانی، مکان ۴، گلی ۸۲، محمود اسٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور
0334-4612774_0307-5687800 وارٹس ایپ: 0312-4612774

وجہ تاخیر / وفیات / الاحسان اکیڈمی / طالبان کی فتح عظیم

مجلّہ ''صفدر'' تقریباً ایک سال تک کیوں شائع نہ ہوسکا؟

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ میں حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد اُن کے حالات و واقعات کے حوالے سے خصوصی شمارے کی تیاری شروع ہوئی۔ اُس وقت ''کرونا'' کی آڑ میں دینی مدارس میں تعلیم اور اجتماعات وغیرہ پر پابندی تھی۔ عید قربان کے لگ بھگ ''وفاق المدارس العربیہ'' کے ذمہ داران نے امتحان لینے کا اعلان کررکھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی مدارس میں تعلیمی سلسلہ جاری ہونے کا بھی قوی امکان تھا۔ لہٰذا بڑی عید تک تقریباً اکثر اہل علم وقلم تدریسی مصروفیات اور تبلیغی اسفار سے آزاد تھے۔ خاص نمبر کے مضامین کے لیے ہماری گذارش یہ تھی کہ بڑی عید سے قبل ہی تمام حضرات کے تاثرات وتحریرات ہمیں موصول ہوجائیں اور ساتھ ساتھ ہی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور تصحیح کے مراحل بھی طے ہوتے رہیں، تاکہ عید کی تعطیلات میں ترتیب وتدوین مکمل کی جاسکے۔ اِس مقصد کی خاطر مضامین نگار حضرات سے روابط کے سلسلہ میں غیر معمولی اہتمام کیا گیا۔ تفصیلات خصوصی اشاعت میں ملاحظہ کی جاسکیں گی۔

لیکن ہماری تمام تر کوششوں اور التجاؤں کے باوجود بہت سے ''حضرات'' نے آخری دنوں کا انتظار فرمایا اور پھر آخری ایام گزرنے کے بعد تاثرات رقم فرمانے شروع کیے۔ اللہ پاک کا کرم ہوا کہ مدارس کھل گئے، تعلیمی سلسلہ بحال ہوا۔ لیکن دوسری طرف جو فرصت اشاعتِ خاص کی ترتیب وتدوین کے لیے ہم نے تجویز کررکھی تھی، وہ ہاتھ سے نکل گئی۔ وقت کی پابندی کے سلسلہ میں اکثر مضامین نگاروں کی طرف سے عدم تعاون کے باوجود ہم نے حوصلہ نہیں ہارا اور دیگر مشاغل کے ساتھ ترجیحی بنیادوں پر اشاعتِ خاص کا کام بھی چلتا رہا۔ اَب عوام وخواص کی طرف سے خاص نمبر کی اشاعت کے بارے میں سوالات کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور تاخیر سے مضامین مہیا کرنے والوں کو بھی اشاعت میں تاخیر گراں گزرنے لگی۔ نومبر ۲۰۲۰ء میں خیال ہوا کہ معمول کا شمارہ تیاری کے لیے تین چار ہفتے لے لیتا ہے۔ کیوں نہ ایک دو ماہ اسے موقوف کرکے اشاعتِ خاص کا کام مکمل کرلیا جائے۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل شروع ہوا۔ لیکن اشاعتِ خاص کے کام کے لیے جو یکسوئی اور تسلسل چاہیے تھا وہ نہ مل سکا، چنانچہ چند ضروری اَسفار بھی ملتوی کیے گئے، بعض دیگر مشاغل کو بھی

آگے پیچھے کیا، لیکن یکسوئی کا فقدان رہا۔ سالانہ تعطیلات میں بھی اشاعتِ خاص کا کوئی کام نہ ہوسکا۔ حتیٰ کہ ۱۴۴۲ھ کا رمضان المبارک بھی گزر گیا۔ پھر کہیں جا کر اشاعتِ خاص کا کام تسلسل سے شروع ہوا اور بڑی عید (عید قربان) ۱۴۴۲ھ میں ترتیب وتدوین کا کام اختتام کو پہنچا۔

پختہ عزم تھا کہ عید کے فوراً بعد ''صفدر'' کا معمول کا شمارہ شائع کر دیا جائے، لیکن خاص نمبر پریس کے حوالے کرتے کرتے مزید دو ماہ لگ گئے۔ صفر الخیر ۱۴۴۳ھ کے پہلے عشرے (ستمبر ۲۰۲۱ء کے وسط) میں خاص نمبر کا باقی حصہ تو طباعت کے لیے پریس کے حوالے ہوگیا لیکن سرورق، اس کی کتابت، باب نمبر ۱۱/ ''آئینہ تحریرات'' کے لیے علامہ صاحب کی تحریرات کے متفرق نمونے، باب نمبر ۱۲/ ''آئینہ تصاویر'' کے لیے علامہ صاحب رحمہ اللہ کی مسجد، ادارہ اور کمرہ وغیرہ کی تصاویر کے حصول سمیت دیگر اُمور نے جکڑ لیا۔ یوں ستمبر بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اَب معمول کے شمارے کی طرف توجہ ہوئی، اور اکتوبر کے آغاز پر نظریں لگ گئیں کہ اکتوبر کے پہلے عشرے میں معمول کا شمارہ تیار ہوجائے۔ لیکن متعدد عوارض نے ایسا گھیرا کہ یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

آج اکتوبر کی ۱۶/ تاریخ اور ہفتے کا دن ہے۔ ارادہ ہے کہ جس قدر مضامین شامل ہو چکے ہیں، اُنھی پر اکتفا کرتے ہوئے کل بروز اتوار رات تک اسے حتمی شکل دے دی جائے اور پرسوں بروز پیر کو بنام خدا حوالہ پریس کر دیا جائے۔ دیکھیں اَب اللہ پاک کو کیا منظور ہے۔

دورانِ سال وفیات:

''صفدر'' کی طباعت کا سلسلہ موقوف تھا کہ کئی اہم ہستیاں دنیا سے رخصت ہوئیں جن کے حوالے سے ان شاء اللہ آئندہ شماروں میں مضامین وتحریرات شامل کی جائیں گی۔ خصوصاً:

[۱]۔ وفاق المدارس العربیہ کے صدر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے رئیس و شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمہ اللہ...... [۲]۔ قائد اہل سنت وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے مسترشد، جامعہ قاسمیہ لاہور کے بانی و مدیر استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ شاہ محمد رحمہ اللہ...... [۳]۔ حضرت قائد اہل سنت کی دختر اہلیہ شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم...... [۴]۔ مولانا عبدالمجید دین پوری شہید رحمہ اللہ کے پے در پے وفات پانے والے تین بھائی: حضرت حکیم عبداللہ، جناب ماسٹر عبدالحمید اور مولانا عبدالکریم دین پوری رحمہم اللہ

مجلّہ ''صفدر'' کے اہم مضمون نگار، محقق عالم دین حضرت مولانا مجیب الرحمٰن مدظلہم کا چوبیس پاروں کا حافظ بارہ (۱۲) سالہ بیٹا بھی کرنٹ لگنے کے باعث انتقال کر گیا۔ حضرت مولانا کے لیے انتہائی گہرا صدمہ

ہے۔ادارہ صفدر کے جملہ اراکین مولانا کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اورتعزیت مسنونہ پیش خدمت کرتے ہیں۔ اللہ پاک انھیں صبر جمیل اور اس کانعم البدل عطا فرمائیں۔ اور وہ مولانا کے لیے آخرت میں عظیم الشان ذخیرہ ثابت ہو۔ آمین۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہ نما حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ کے بڑے بیٹے مولانا محمد احمد [استاذ الحدیث: مدرسہ عربیہ چناب نگر] بھی انتقال فرماگئے۔ مولانا مدظلہم کے لیے اِس پیرانہ سالی میں بڑی آزمائش اور گہرا صدمہ ہے۔ مولانا کے قلم سے اُن کے مرحوم بیٹے کے حالات پڑھ کر دِل پسیج گیا۔ اللہ پاک کامل مغفرت فرمائیں اور مولانا مدظلہم سمیت تمام پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائیں۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات وخواتین دنیا سے رخصت ہوئے، اِس عجلت کے وقت میں جو نام سامنے ہیں، درج کیے جارہے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ جملہ مسلمان مرحومین کے لیے دعائے مغفرت اور اُن کے پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا فرماتے رہیں۔ **جزاکم اللہ أحسن الجزاء.**

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی نواسی مولانا داؤد خان نوید کی ہمشیرہ، شیخ الحدیث مولانا محمد یاسین صابر، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے رئیس دارالافتاء مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی، مولانا نور محمد آصف (ٹمن، تلہ گنگ) کے بھتیجے مولانا نذیر احمد، شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیارپوری، تحریک خدام اہل سنت کے مرکزی مبلغ مولانا سید عصمت شاہ کاظمی، جامعہ قاسم العلوم ملتان کے شیخ الحدیث مولانا محمد اکبر، شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زرولی خان، محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان، جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ الحدیث مولانا شبیر الحق کشمیری، شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید فاروقی، حضرت مدنی کے آخری خلیفہ مولانا عبدالحلیم چاٹگامی، مولانا ظفر اقبال [کراچی] کے والد گرامی، حافظ محمد حسن مٹھا کی اہلیہ محترمہ، مولانا محمد اعجاز کی والدہ محترمہ، مولانا جلیل الرحمٰن انوری، مولانا عبدالشکور حقانی کی ہمشیرہ، ایک حادثہ میں مولانا منیر احمد اختر (جہانیاں منڈی) کی بیٹی اور نواسہ، مولانا قاری محمد صادق بہاولپوری کے ماموں حافظ نذیر احمد، مولانا جمیل الرحمٰن عباسی کی بڑی خالہ محترمہ، جامعہ محمدیہ لاہور کے استاذ مولانا کاشف صاحب کے والد گرامی، مولانا عبدالکریم نعمانی کبیروالا، دارالعلوم کراچی شعبہ دارالقرآن کے قدیم استاذ قاری ملازم حسین، فرزند امام اہل سنت قاری عنایت الوہاب خان ساجد کے سسر محترم حاجی محمد شفیق، مولانا آفتاب اسلم کے چچا، مولانا جواد کے تایا، محمد زکریا کی خالہ محترمہ، حاجی عبدالقادر جنہان، قاری محمد ابراہیم کاسی کے والد گرامی ملک فیض محمد کاسی، مولانا مقبول احمد [خطیب تبلیغی مرکز بہاول پور] کی ہمشیرہ، مولانا محمد اشرف شادؒ مانکوٹ کے برادرِ صغیر، مولانا عمران سلفی [مدرس: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا] کی والدہ محترمہ، جناب

عبدالباسط ملتان کی دادی صاحبہ، ابن امام العصر مولانا انظر شاہ کشمیری کی اہلیہ، شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم [بہاول پور] کے چچازاد حافظ محمد قاسم، مولانا محمد ابوبکر حضور بہاول پور، مولانا دلشاد ترنڈہ کے سسر، مولانا سیف اللہ [مدرس: مدینۃ العلم بہاول پور] کی والدہ، جامعہ مظہریہ حسینیہ کے طالب علم محمد سرور کے ماموں، حفیظ الرحمٰن تھرپال چکوال کے ماموں زاد بھائی، مولانا مفتی عاصم ذکی [مدرس: جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی]، مولانا کبیر احمد عباسی بہاول پور کے والد محترم، مولانا محمد یوسف بٹگرامی، مولانا ابن الحسن عباسی، پروفیسر حافظ بشیر احمد، مولانا احسان اللہ فاروقی وڈالہ سندھواں ڈسکہ، مولانا حنظلہ شفیق بہاول پور، جناش اشرف صاحب ڈھیریاں کے سسر، حکیم محمد امجد شاکر کی پھوپھو، حافظ بشیر احمد چیمہ گکھڑ منڈی، جناب حیدر زمان، جناب کرنل مسعود صاحب راولپنڈی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے خلیفہ مولانا محمد ذکی بھوپالی مہاجر مدنی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کے بڑے بیٹے مولانا ابوبکر صدیق، مولانا اسماعیل شجاع آبادی کے دوسرے بیٹے، مولانا عبداللطیف جہلمی کے مخلص ساتھی جناب محمد رفیق، سبز مسجد خیر پور ٹامیوالی کے صدر مدرس قاری عبدالحمید، مولانا شبیر حیدر فاروقی بہاول پور کی والدہ، سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی کے فرزند مولانا ثناء اللہ چنیوٹی، مولانا غریب احمد کے بھائی مولانا تاج محمد، جناب قاری عبدالستار سرگودہا کے بہنوئی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، اقرا روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے بانی اور نائب مدیر مولانا مفتی مزمل حسین، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین کے دیرینہ رفیق حاجی فدا حسین چکوال، حکیم ارشاد الحق بہاول پور، شکیل صاحب کراچی، مولانا اقبال رنگونی کی خالہ، جناب دلاور صاحب کوہاٹ کے بہنوئی، قاری عبدالرحمٰن ضیاء سرگودہا کی بھابھی، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کی بھابھی مولانا محمود عالم اوکاڑوی کی خالہ، دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے بانی مولانا غلام مصطفیٰ کے چچازاد اللہ وسایا، مولانا مفتی محمد عثمان چیچہ وطنی، شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن دھرمکوٹی کی بھتیجی، مولانا بابر ہاشمی کے والد، شیخ محمد علی الصابونی [مصنف: التبیان]، تنظیم اہل سنت کے راہ نما مولانا رمضان نعمانی، مولانا سلیم اللہ چوہان کے چچا جناب فقیر محمد، حضرت مدنی کے فرزند نسبتی جناب مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری، مولانا محمد حسین مدرس: جامعہ مدنیہ جدید کے سسر خان عبدالرحمٰن خان بہاول پور، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہ نما مولانا عزیز الرحمٰن ثانی کے والد گرامی، شاعر ختم نبوت سید محمد امین گیلانی کی اہلیہ محترمہ، شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صدیقی کے چچا مولوی حاجی سعید احمد، مولانا خلیل احمد اعظمی [مدرس: جامعہ دارالعلوم کراچی] کی صاحبزادی، دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے فاضل مولانا عطاء الرحمٰن، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مدرس و مفتی مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی کے والد و والدہ، شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عادل خان کی ہمشیرہ رحمہم اللہ۔

الاحسان آن لائن اکیڈمی:

رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ میں بعض مہربانوں کے پُرزور اصرار پر سالانہ تعطیلات کے دوران سکولز، کالجز یونیورسٹیز کے طلبہ وطالبات اور عامۃ الناس کے لیے ''دورۂ عقائد'' کی ترتیب طے ہوئی۔ ابتدائی طور پر یہ دورہ ''اسلامی عقائد کورس'' کے نام سے بذریعہ واٹس ایپ منعقد ہوا۔ جس میں الحمدللہ سیکڑوں حضرات و خواتین نے شرکت فرمائی۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ سلسلہ بہت مفید و نافع ثابت ہوا۔ پھر شرکاء کی طرف سے دیگر عنوانات پر دورہ جات کے انعقاد کا مطالبہ سامنے آنے پر ''عشرہ ذوالحجہ'' اور ''صفر المظفر'' کے حوالے سے بھی دورہ جات منعقد ہوئے۔ اِس سے قبل واٹس ایپ کے ذریعہ ہی تجوید، قرآنی عربی اور فلکیات وغیرہ کے حوالے سے مختلف اسباق و دورہ جات پیش کیے جا چکے تھے۔ اور ترجمہ قرآن کا سلسلہ تو بحمد اللہ کئی سال سے جاری ہے۔ اِس ترتیب کو منظّم کرنے کے لیے ''الاحسان آن لائن اکیڈمی'' کا نام تجویز ہوا۔ تفصیلات اِن شاء اللہ آئندہ شمارے میں پیش کی جائیں گی۔ البتہ اِن دورہ جات (کورسز) کے اشتہار اِسی شمارے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

تحریک طالبان کی فتح عظیم:

اللہ پاک کے خصوصی فضل وکرم، طالبان کی جہد واستقامت اور جہاد کی برکت سے افغانستان میں امریکہ اور اس کے حواریوں کو شکست فاش ہوئی اور مجاہدین اسلام کی حکمت وبصیرت اور جرأت و بہادری کے نتیجہ میں ''امارت اسلامی افغانستان'' کا پرچم پھر سے بلند ہوا۔ اللہ پاک انھیں استحکام نصیب فرمائیں، تمام نیک مقاصد میں کامیاب فرمائیں، مشکلات دُور اور بہت دُور فرمائیں، اُن کی حفاظت فرمائیں، درستگی پر قائم رکھیں۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب کے قول وعمل کا تضاد:

اِس موقع پر عم مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب کا طرزِ عمل حیرت کا باعث ہوا۔ فتح کابل کے بعد اُن کا ایک پیغام سوشل میڈیا پر دیکھا گیا جس میں وہ طالبان مجاہدین کی جانب سے کابل کے چوک میں لگے شیعوں کے جھنڈے اُتارے جانے پر طالبان کو ''مشورہ'' دے رہے تھے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن دو ہی دن بعد اُن کا یہ پیغام بھی سننے کو ملا کہ:

> فی الحال ہر کوئی اپنے اپنے ''مشورے'' اور فارمولے اپنے پاس رکھے۔ ابھی چند سال انتظار کیا جائے، اُنھیں موقع دیا جائے۔ پھر جس نے مثبت تبصرہ کرنا ہو مثبت کرلے، جس نے منفی کرنا ہو منفی کرلے۔ ستر سال میں ہمارے مشوروں اور فارمولوں نے ہمارا کیا حشر کر دیا ہے جو ہم اُنھیں ''مشورہ'' دینے چل پڑے۔ (مفہوم بہ اختصار)

حالانکہ اسلام کے نام پر جو کفریہ اور خونی انقلاب ایران میں آیا تھا، مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اُس کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُس سے ''خیر'' کی امیدیں وابستہ فرمائی تھیں۔ اور اُن کے حق میں مثبت تبصرے بھی فرمائے تھے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں:

''ایرانی انقلاب کو ابتداء میں ایک کامیاب مذہبی انقلاب سمجھا گیا اور ایسا سمجھنے والوں میں ہم بھی شامل تھے۔ ہمیں توقع تھی کہ عالمی سیکولر قوتوں کے ایجنڈے کے علی الرغم ایران کا یہ کامیاب مذہبی انقلاب دنیا بھر کی اسلامی تحریکات کی تقویت کا ذریعہ بنے گا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔''

[روزنامہ اسلام لاہور، ۱۸/ اکتوبر ۲۰۱۶ء]

بلکہ مولانا بارہا اہل سنت علماء وعوام کو خمینی کے طرزِ عمل سے راہ نمائی لینے کا مشورہ بھی دے چکے ہیں۔ نیز ایرانی انقلاب کے محرک جناب خمینی کی وفات پر راشدی صاحب نے تعزیتی پیغام جاری فرمایا تھا، جو نوائے وقت [۸/ جون ۱۹۸۹ء] اور پھر ماہنامہ ''حق چار یار'' میں شائع ہوا تھا، ملاحظہ ہو!

''ہمارے پڑوس برادر ملک ایران کے عوام اپنے ایک عظیم لیڈر سے محروم ہو گئے ہیں، یہ اُن کا قومی نقصان ہے، ہم اس غم میں ان کے برابر کے شریک ہیں۔ امام خمینی نے اپنے اس انقلاب کی بنیاد ایک مستحکم تحریک پر رکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے جانشین کا انتخاب ایک مشکل امتحان اور بحران ہے۔ لیکن ایران کی انقلابی قیادت اس بحران پر قابو پالے گی۔ اس سے پہلے بھی ایرانی انقلاب کو جناب رجائی اور دیگر علمائے کرام کے ایک حادثہ میں قتل ہو جانے کے باعث دھچکا لگا تھا، تاہم اس موقع پر بیرونی طاقتیں اپنے اثرات پیدا کرنے کی کوشش کریں گی، لیکن موجودہ انقلابی جماعت کی نظریاتی طور پر جس طرح تربیت ہے اس سے وہ طاقتیں بہ آسانی اثر انداز نہیں ہو سکیں گی۔'' [ماہنامہ حق چار یار جون ۱۹۸۹ء]

ہمیں حیرت اِس بات پر ہے کہ جو انقلاب کفریہ تھا، خونی تھا، مسلم کش انقلاب تھا، جس کی مخالفت کرنا شرعی وایمانی تقاضا تھا، ورنہ خاموشی آخری درجہ تھا، جس کی حمایت دینی غیرت وحمیت کے منافی تھی، مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اُس کی تو جھٹ حمایت فرما دی اور اُس سے خیر کی امیدیں وابستہ کر لیں۔ اور اس وقت یہ ''فارمولہ'' اور ''مشورہ'' کیوں پیش نظر نہیں رکھا کہ چند سال انتظار کیا جائے، اس کے بعد ''مثبت'' یا منفی تبصرہ کیا جائے!؟

نیز عم مکرم کے ارشاد کی معنویت بھی واضح نہیں ہو سکی۔ اگر اُن کی مراد یہ ہے کہ طالبان کو کسی بھی قسم کا مشورہ نہ دیا جائے تو یہ بدیہی طور پر غیر معقول ہے۔ کیونکہ موجودہ حالات کے لحاظ سے طالبان کو مفید مشورے دینے کا نہ صرف موزوں ترین وقت یہی ہے بلکہ اہل ایمان کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ وفاق المدارس العربیہ کے صدر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے بھی طالبان کو مفید مشورے عنایت فرمائے ہیں۔

اور اگر عم محترم کی مراد یہ ہے کہ فی الحال اُن کے کسی عمل پر تنقید نہ کی جائے اور منفی تبصروں سے گریز کیا جائے تو اُن کا اپنا سابقہ پیغام اُن کے اِس ارشاد کے منافی ہے۔ جس میں وہ شیعوں کے جھنڈے اُتارنے کو غیر درست عمل قرار دے رہے ہیں۔ بلکہ ماضی میں بھی اُن کا یہی رویہ رہا ہے، چنانچہ خود لکھتے ہیں:

''ہمارے ایک انتہائی مہربان دوست جن کی دینی و جہادی خدمات کے ہم ہمیشہ معترف رہے ہیں، دُور دراز کا سفر کر کے گوجرانوالہ تشریف لائے اور بڑے خلوص و خیر خواہی کے ساتھ فرمایا کہ آپ کا موقف درست ہوسکتا ہے، لیکن اس کے اظہار کا وقت یہ نہیں ہے، اس لیے ابھی اس بارے میں خاموشی اختیار کرلیں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے بھائی! اس وقت نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں اس موضوع پر بحث جاری ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے عسکری جدوجہد جائز ہے یا نہیں؟ اس لیے میرے خیال میں یہی وقت ہے کہ ہم اپنے موقف کا وضاحت کے ساتھ اظہار کریں۔ آپ ہمارے موقف سے اختلاف کریں، لیکن ہمیں اپنے موقف کے اظہار کے حق سے محروم تو نہ کریں۔'' [ماہنامہ الشریعہ: نومبر ۲۰۱۳ء]

مولانا موصوف کے قول و عمل کے تضاد کا یہ سلسلہ بہت وسیع ہے۔ جس کی تفصیلات درج کرنے کے لیے ایک وقت درکار ہے۔

اہل حق جہاں طالبان کی حمایت و تعاون پر کمر بستہ ہیں وہیں انھیں فتنۂ تصویر میں ابتلاء کے مضرات و مہلک اثرات سے بھی آگاہ کرنے سے غافل نہیں ہیں جس میں طالبان مجاہدین کی ایک تعداد بری طرح مبتلا دکھائی دے رہی ہے۔ علمائے حق جہاں شب و روز طالبان کی کامیابی و استحکام کے لیے دعا گو ہیں وہی اِس حوالے سے بھی فکر مند ہیں کہ طالبان عالی شان اپنے معیار پر کوئی سمجھوتہ نہ کریں اور جہاں شریعت نے کوئی گنجائش نہیں رکھی، وہاں کوئی لچک نہ آنے دیں۔ اہل ایمان جہاں ہر محاذ اور مقام پر طالبان کی کھلی حمایت میں پیش پیش ہیں وہیں اِس بات کی وضاحت میں بھی دوٹوک ہیں کہ ہماری تائید اور حمایت کی بنیاد اسلام اور اسلامی اُصولوں کی پاسداری ہے۔ اور یقیناً ہم سے زیادہ طالبان اس بات سے واقف ہیں کہ یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے۔ یعنی اسلام اور یہود و نصاریٰ کی دوستی ایک ساتھ باقی نہیں رہ سکتے۔ اور توکل و بھروسہ خداوندی کو طالبان سے بہتر کون سمجھتا ہوگا۔ لہٰذا خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے معیار پر قائم رہیں۔ اس میں کوئی لچک نہ آنے دیں۔ اللہ تعالیٰ طالبان سمیت پوری امت مسلمہ کا حامی و ناصر ہو۔ اور اہل سنت کو تمام داخلی و خارجی محاذوں پر مکمل کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمائے اور خلافت راشدہ کا نظام قائم و دائم فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

وہ تاریخ کا ایک حیرت انگیز منظر تھا، جب اپنی ماں سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے ایک بیٹے سے اس کی ماں کہہ رہی تھی: ’’بیٹے! اگر تم نے دینِ اسلام نہ چھوڑا تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی اور لوگ تمھیں طعنے دیتے رہیں گے۔‘‘ اور ماں نے واقعتاً ایک رات اور ایک دن کھانا نہیں کھایا، اس وقت بیٹے نے جو جواب دیا اس پر زمانہ حیرت زدہ رہ گیا، بیٹے نے کہا: ’’ماں! اگر تمہاری ہزار جانیں ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی جاتیں تب بھی میں اسلام کو نہ چھوڑتا۔‘‘ ماں نے بیٹے کی اسلام کے ساتھ اس قدر گہری وابستگی اور مضبوط تعلق دیکھا تو کھانا پینا شروع کر دیا۔

یہ ہیں ہماری اس مجلس کے ممدوح حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جو فاتح ایران بھی ہیں، کوفہ کے بانی بھی ہیں، عشرہ مبشرہ سے بھی ہیں، آنحضرت ﷺ کے ماموں بھی ہیں، اسلام کے سب سے پہلے تیر انداز بھی ہیں، اسلام کے لیے سب سے پہلے ایک اسلام دشمن کا خون بہانے والے بھی ہیں اور انھیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انھیں فرمایا: **فداک ابی و امی** میرے ماں باپ آپ پر قربان۔

حضرت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے والد کا نام وہیب بن عبد مناف تھا، آپ کی والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا، آپ کی والدہ حضرت ابوسفیان کی چچا زاد بہن تھی، عشرہ مبشرہ میں سے آپ کا انتقال سب سے آخر میں ہوا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے مسلمان ہونے سے پہلے خواب دیکھا گویا میں تاریکی میں ہوں، مجھے کچھ نہیں دکھائی دیتا کہ اچانک میرے سامنے چاند روشن ہو گیا اور میں اس کے پیچھے چلا جاتا ہوں اور گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس چاند کی طرف کون مجھ پر سبقت لے گیا ہے، میں نے دیکھا کہ وہ زید بن حارثہ اور علی بن ابی طالب اور ابوبکر ہیں اور ان سے پوچھتا ہوں کہ تم لوگ اس جگہ کب پہنچے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ابھی، پھر چند روز کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پوشیدہ دعوت اسلام دیتے ہیں پس میں اجیاد کی گھاٹی میں آپ سے نماز عصر پڑھنے کے بعد ملا اور مسلمان ہو گیا اور سوا ان لوگوں کے جن کو خواب میں دیکھا تھا اسلام میں مجھ پر کوئی سبقت نہیں لے گیا تھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو اس لشکر کا سالار مقرر کیا جس کو فارسیوں کے مقابلہ کے واسطہ روانہ کیا تھا یہی اس لشکر کے سردار تھے جس نے فارسیوں کو قادسیہ اور جلولا میں شکست دی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ

نے اپنی ماتحت فوج کا کچھ حصہ جلولا کی طرف روانہ کر دیا تھا جس نے جا کر وہاں ایرانیوں کو شکست دی، انھوں نے ہی کسری کے مدائن کو عراق میں فتح کیا تھا۔

عرب کے نامور شاہسواروں میں ایک نمایاں نام حضرت سعدؓ کا تھا، کوفہ شہر کے آپ بانی بھی ہیں اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر بھی رہے، حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ جب ابولؤلؤ مجوسی کے ہاتھوں زخمی ہوئے تو آپ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی اور کمیٹی کو پابند کیا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں، اسی موقع پر فرمایا کہ حضرت سعدؓ خلیفہ منتخب ہو جائیں تو بہتر ورنہ نیا خلیفہ ان کی خدمات سے ضرور مستفید ہو۔ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے، اللہ تعالیٰ آپ کی دعاوں کو رد نہیں فرماتے تھے اور یہ آنحضرت ﷺ کی دعا کا اثر تھا، چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی: اللهم استجب لسعد اذا دعاك. اے اللہ! جب سعد آپ سے دعا کریں آپ قبول فرمانا۔

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے بڑے فخر سے فرمایا: هذا خالي فليرني امرء خاله (ترمذی شریف) ''یہ سعد میرے ماموں ہیں کسی کا ایسا ماموں ہو تو دکھائے۔''

آپ ﷺ نے حضرت سعد کو ماموں اس وجہ سے کہا کہ حضرت سعد قبیلہ زہرہ سے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی والدہ بھی اسی قبیلہ کی تھیں اور یہ آپ کی والدہ کے چچا کے لڑکے تھے کیونکہ حضرت آمنہ، وہب بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور عرب میں ماں کی طرف والوں کو ماموں کہتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ليت رجلا صالحا يحرسني کاش میرے صحابہ میں کوئی نیک آدمی مجھ پر پہرہ دے۔ اتنے میں ہم نے اسلحہ کی آواز سنی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہو؟ جواب ملا سعد! آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (بخاری مسلم)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو معرکہ احد میں یہ فرماتے ہوئے سنا: یا سعد! ارم فداك ابي وامي. اے سعد! تیر پھینکیے! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ (بخاری، مسلم)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: سعد بن ابی وقاص فی الجنة. سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں۔ (ترمذی شریف)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں حضرت سیدنا سعدؓ نے ایک مشرک کو تیر مارا، وہ تیر سیدھا اس کی پیشانی پر لگا، وہ الٹ کر گر پڑا، آنحضرت ﷺ حضرت سعدؓ کے درست نشانہ اور مشرک کی ذلت آمیز شکست پر ہنس پڑے۔

ابن اسحاق نے مغازی میں لکھا ہے کہ جن دنوں مکہ مکرمہ میں مسلمان خفیہ عبادت کیا کرتے تھے انھی دنوں حضرت سیدنا سعدؓ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کے ساتھ کسی گھاٹی میں عبادت کر کے نکلے تو مشرکین سے آمنا سامنا ہوگیا، مشرکین نے دین اسلام کا تمسخر اڑانا شروع کیا اور نوبت جنگ تک پہنچ گئی، حضرت سعدؓ نے اونٹ کا ایک جبڑا اٹھا کر ایک مشرک پر دے مارا، وہ مشرک زخمی ہوگیا، فکان اول دم اریق فی الاسلام. یہ پہلا خون ہے جو اسلام کی خاطر بہایا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت سیدنا سعد کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا جب قریش کے قافلہ سے مقابلہ ہوا تو نوبت تیراندازی تک پہنچی، وکان اول من رمی بسهم فی سبیل الله، حضرت سعدؓ اسلام کے لیے تیراندازی کرنے والے پہلے شخص ٹھہرے۔

حضرت سعدؓ کا انتقال ۵۶ھ عقیق میں ہوا، آپ کو مدینہ لایا گیا اور مسجد نبوی کے پاس آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور مدینہ منورہ میں تدفین ہوئی۔ رضی الله تعالی عنه وارضاه [اسد الغابۃ، الاصابہ]

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سرورِ کونین کے لشکر کا تیر انداز تھا
خالدؓ و زیدؓ و ابوذرؓ کا وہ ہم آواز تھا
فوج کوئی بھی ٹھہر سکتی نہ اُس کے سامنے
باعثِ صد فخر تھا وہ باعث صد ناز تھا
روند ڈالا دیکھتے ہی دیکھتے ایران کو
وہ سنہرے دَور کے آغاز کا آغاز تھا
ذکر جب کرتے تھے کرتے تھے بڑے ہی پیار سے
اپنے ماموں کی شجاعت پر نبیؐ کو ناز تھا
راستہ بدلا نہیں اُس نے کسی طوفان میں
وہ کہستانی فضا کا شیر دل شہباز تھا
لشکرِ اسلام کے ماتھے پہ جُھومر کی طرح
اُس کا رن میں کُود پڑنا فوج کا اعزاز تھا

[انجم نیازی]

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

وظیفہ بھی اور پریشانی بھی ہے

ایک صاحب نے اپنی پرچی پر لکھا تھا: وظیفہ پڑھ رہا ہوں فائدہ نہیں ہو رہا۔ حضرت نے فرمایا: ''یہ تھوڑی بہت پریشانی ہے، گھبرانا نہیں، اللہ میاں کے سب انداز ہیں، کبھی رُلا کر نوازتے ہیں اور کبھی ہنسا کر نوازتے ہیں، وہ جس حال میں رکھیں خیر ہی خیر ہے۔

وظیفے میں جو اللہ کا نام لے رہے ہیں

ایک ساتھی کہنے لگے میں وظیفہ پڑھ رہا ہوں مگر فائدہ نہیں ہو رہا۔ دوسرے بھائی کہنے لگے: بھائی! یہ وظیفے میں جو اللہ کا نام لے رہے ہیں، یہ تھوڑا فائدہ ہے!؟ اللہ نے اپنا پیارا نام لینے کی توفیق عطا فرما رکھی ہے یہ کم فائدہ ہے؟ ان شاء اللہ دیگر مقاصد بھی اللہ پورے فرمائیں گے، گھبرائیں نہیں، اس کے در پہ جھولی پھیلائے رکھیں۔ ایک صاحب میرے حضرت سے عرض کرنے لگے: حضرت! دعا کر رہا ہوں لیکن پریشانی ختم نہیں ہو رہی۔ اللہ والوں کے جملے عجیب ہوتے ہیں دل سے نکلتے ہیں دل میں جا کر لگتے ہیں۔ اور دل کا سارا بوجھ ہلکا کر دیتے ہیں فرمایا: جتنی پریشانی لمبی ہوگی اس کے دُور ہونے کے بعد جو راحت ملے گی اس کی قدر بھی زیادہ ہوگی۔''

درود شریف دربارِ رسالت ﷺ کا ہدیہ ہے

پھر فرمایا: ''درود شریف ہدیہ ہے۔ اور ہدیہ کا طریقہ یہ ہے کہ خود پہنچایا جائے، یا کسی کے ہاتھ بھیجا جائے۔ جو درود یہاں سے پڑھا جائے وہ فرشتے پہنچاتے ہیں اور نام لے کر پہنچاتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کی طرف سے درود ہے۔''

عصری فنون میں کیا نیت کریں؟

فرمایا: سکول و کالج میں پڑھنے کی نیت کیا ہونی چاہیے؟ ایک بھائی ٹوبہ ٹیک سنگھ میں فرمانے لگے: ''خدمت خلق برضائے حق'' کہ ہم مخلوقِ خدا کی خدمت کریں گے خالق کو راضی کرنے کے لیے [حدیث

پاک میں ہے: الخلق عيال الله فاحب الخلق إلى الله أحسنهم لعياله ۔مخلوق اللہ رب العزت کا کنبہ ہے، اللہ کو وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کی مخلوق پر زیادہ احسان کرنے والا ہے۔از: مرتب] ڈاکٹر بنیں، انجینئر بنیں لیکن مسلمان ڈاکٹر اور مسلمان انجینئر۔ہم ڈاکٹر بعد میں ہیں اور مسلمان پہلے ہیں، ہم انجینئر بعد میں ہیں اور مسلمان پہلے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے بھانجے تھے یہاں سامنے دفتر میں ملازم تھے۔ اگر دفتر میں وقت سے پہلے پہنچ جاتے تو پنکھا استعمال نہیں کرتے تھے کہ سرکاری چیز اپنے استعمال میں نہ آئے۔اپنے فارغ اوقات میں یہاں آجاتے تھے اور مسجد میں بیٹھے تلاوت اور ذکر اذکار کرتے رہتے تھے۔ اللہ کے نیک بندے ہر شعبے میں ہوتے ہیں، ہر محکمے میں ہیں۔

<u>بیوی کے جذبات کی رعایت</u>

میاں بیوی کے معاملات کی نزاکت پر بات کرتے ہوئے فرمایا:

جھگڑے میں تواضع اپنائیں، جھک جائیں "من تواضع لله رفعه الله" میرا ایک مسئلہ تھا، اس میں میرا اپنے گھر والوں سے اختلاف رائے چل رہا تھا۔جلدی نہیں کی، حالانکہ دوٹوک انداز میں بھی فیصلہ کرسکتا تھا، لیکن پورے پانچ سال تک اللہ سے دعا مانگتا رہا کہ کوئی بہتر صورت نکل آئے، اللہ نے کرم کیا حل نکل آیا، اور وہ بھی قائل ہو گئے۔

فرمایا: شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے بیوی کے ناز اُٹھا لینے چاہئیں، اُس کا آپ کے علاوہ کون ہے؟

<u>صاحب کشف ولی بننا چاہتا ہوں</u>

ایک صاحب نے پرچی پر لکھا کہ "میں صاحبِ کشف ولی بننا چاہتا ہوں"۔حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا: میرے پاس تو اِس کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے تھے: پیر وہ ہے جو اپنے مرید کو حضور نبی کریم ﷺ کے دَر کا غلام بنائے، اور وہاں سے عرش تک پہنچائے۔میرے حضرت (صوفی صاحب رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کرامت غیر اختیاری چیز ہے، جس سے ولی کا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے [اور غیر اختیاری فعل پر ثواب نہیں ملتا جبکہ] اپنے اختیار سے ایک دفعہ "سبحان الله" کہنا ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔[کیونکہ یہ اختیاری فعل ہے اور باعثِ ثواب ہے۔از: مرتب]

پھر ساتھ ہی فرمایا: میں تو طالب علم ہوں شیخ تو بڑے حضرات ہیں، جو بات آتی ہو بتا دیتا ہوں۔

☆......☆......☆......☆

اطہر حسین عرفانی، اسلام آباد

مظہر نورِ حق، تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کے میرِ کارواں

شمع رسالت کے پروانے، شاہکارِ امام الانبیاء، شناسان مزاج مصطفےٰ، صدائے صدق و صفا، فیضان خیرالوریٰ، دبستان حق و ہدیٰ، گلہائے باغ جناں، شوکت ایمان، پاسبان نبوت، رفیقان شاہ امم، جانثارانِ شافع محشر، غازیانِ اسلام، اصحابِ سراج منیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتوں رفعتوں کے گیت گانا توفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں، اور نہ ہی یہ سعادت ہر کس و ناکس کے حصے میں آتی ہے۔ سو ایسے بلند اقبال لوگ جولانگاہ عالم کے فانی حصار میں اپنے دوش پہ یہ بارگراں اٹھائے قریہ قریہ، بستی بستی، کو بکو گھوم کر اُمت احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حیات نو عطا کرتے ہیں۔ ان کی جہد مسلسل خانۂ قدرت کی شوخ تحریر بن جاتی ہے۔ ان کے صدق مقال سے باغ و بہار کی پرکیف فضائیں وجود میں آتی ہیں تو زندگی کی شاخوں پہ گلہائے رنگارنگ ہر صبح نئے نظارے سے متعارف کرواتے ہیں۔ ان کی بے لوث محبت، بے باک صداقت، دہر کی ظلمتوں کو اجال دیتی ہے ؏ زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری

ان کی گرائی ہوئی بجلیاں جب کفرستان عالم کو سوختہ جان بناتی ہیں تو رقابتِ علم و عرفان کے منہ زور طوفان ان کی اُڑان کو مزید بلند کر کے ان کو جہاں گیر، جہاں دار، جہاں بان اور جہاں آراء بنا دیتے ہیں۔ زوال ان کی تدبیر جہاں بانی سے ڈرتا اور کتراتا ہے ؎

مسلمان کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالم گیر ہے مردان غازی کا

معروف شاعر انجم نیازی صاحب اپنی کتاب ’’ہفت اولیاء‘‘ میں رئیس المناظرین ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ جیسی نابغہ روزگار شخصیات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’انہی میں ایک شخصیت مولانا کرم الدین دبیرؒ کی تھی جو ابتداء میں بریلوی مسلک کی طرف مائل تھے مگر سلانوالی ضلع سرگودھا کے ایک مناظرہ کے دوران جس کے یہ صدر تھے‘ مولانا منظور نعمانی کے دلائل سے بہت متاثر ہوئے اور دیوبندی مسلک اختیار کر لیا۔ یہ خود اعلیٰ پائے کے عالم، شاعر اور مناظر تھے۔ بلکہ رئیس المناظرین تھے یہ حد سے زیادہ پرجوش اور باہمت انسان تھے۔ ہمہ وقت سارے فتنوں کا تن تنہا

تعاقب کیا کرتے تھے۔ سارے فتنوں کا تعاقب کرنا اوران کا راستہ روک کر کھڑے ہوجانا ان کا معمول تھا۔ روافض، خارجی، مماتی اور مرزائی کا ان کے گھروں تک پیچھا کیا کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد کذاب تو ان کے نام سے بھی خوف کھاتا تھا۔ مقدموں پر مقدمے لڑتے رہے مگر پیچھے نہیں ہٹے، اپنی اولاد کے مقدمات اور اموات کے کئی صدمے برداشت کیے، تنگ دستی کا شکار ہوتے رہے۔

مگر کبھی ہمت نہیں ہاری کسی کو مدد کے لیے نہیں پکارا، کبھی کمزوری نہیں دکھائی ہمیشہ تازہ دم نظر آیا کرتے تھے۔ انہی بزرگ کے ہاں ۲۰/اکتوبر ۱۹۱۴ء کو ایک بچہ پیدا ہوا جو اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس کا نام مظہر حسین رکھا گیا۔ کسی کو کیا خبر تھی ، یہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوگا۔ بڑا ہو کر بہادری اور استطاعت کا پہاڑ بن کر ابھرے گا علم کا سمندر اور پرہیز گاری کی چٹان ثابت ہوگا کسی کو کیا پتہ تھا کہ یہ دبلا پتلا بلند قامت بچہ بلند ہمت نوجوان بنے گا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ بچہ سارے برصغیر میں علمِ دین اور روحانیت کا سورج بن کر چمکے گا۔

شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی کا شاگرد خاص اور خلیفہ مجاز ہونے کا اسے شرف حاصل ہوگا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ مولانا کرم الدین دبیرؒ نے باطل فرقوں کے خلاف جانی، مالی اور قلمی جہاد جہاں چھوڑا تھا۔ یہ اس کو اور آگے لے جائے گا اور حق پرستی کی علامت بن کر ابھرے گا۔ کفر کے ایوانوں کے لیے خوف اور ہیبت کا پہاڑ ثابت ہوگا، یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس پس ماندہ علاقہ میں اتنا بڑا مفکر، مدبر، محدث اور مقرر پیدا ہوگا جو ساری دنیا کو اپنے علم وقلم، تدبر وتفکر کی طاقت سے ہلا کر رکھ دے گا۔‘‘

ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

’’شیخ العرب والعجم بے تابی سے اپنے اس عظیم شاگرد کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اپنا سارا علم، تدبر تفکر اور دین پر مر مٹنے کا حوصلہ اس کے حوالے کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ اپنے پیچھے اپنا ایک نیا اور تازہ دم حسین احمد مدنی اور ایک نیا محمود حسن چھوڑ جانا چاہتے تھے۔ جو ان کی تحریک کو جاری رکھ سکے اور آگے بڑھا سکے جو مشکل ترین امتحانوں سے گزرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا فن جانتا ہو، جو کسی کی چال اور کسی کے جال میں نہ آسکے۔ جس کی جرأت اور بصیرت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ جسے کوئی ڈرا نہ سکے، جھکا نہ سکے، بھگا نہ سکے۔ یہ وہی تھا جو بعد میں وکیل صحابہؓ، قائدِ اہل سنت بنا، جو حضرت مولانا قاضی مظہر حسین کے نامِ نامی سے مشہور ہوا

؎

عقابوں ہی جیسی تھی پرواز اس کی
پہاڑوں ہی جیسی تھی آواز اس کی
ہر اک فیصلہ اس کا انجم اٹل تھا
ارے استقامت کا وہ اک جبل تھا

ان مجاہدین فی سبیل اللہ نے مذہب حق اہل السنۃ والجماعۃ کی حفاظت وتشریح کرتے ہوئے اپنی زندگیاں بِتا دیں۔ درجنوں کتب سے ان کے افکار اور نظریات اُبھر اُبھر کر اَمر ہو رہے ہیں۔ سراج منیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب واہل بیت خصوصاً چار یاران مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے باک ترجمانی کا کچھ نمونہ قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔

مزاج شناس نبوت خلیفہ اول، خلیفہ راشد بلافصل حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ اپنی کتاب ''السیف المسلول لاعداء خلفائے رسول'' میں فرماتے ہیں:

''پھر مہاجرین میں سب سے برتر رتبہ اس شخص کا ہے جو **أسبق فی الهجوت** مع الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جانتے ہو وہ کون شخص ہے؟ ابوبکر صدیقؓ ہے اور یہی بحکم آیت افضل الصحابہؓ ہیں۔ مکہ سے نکلتے وقت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پہلا شخص، جسے معیت رسول کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ابوبکر صدیقؓ، مکہ سے پہلا قدم اُٹھانے والا اور مدینہ میں آخری قدم رکھنے والا ابوبکر صدیقؓ ہے، جس نے یہ مبارک اور پسندیدۂ خدا سفر ہجرت سردار دو جہاں، محبوب عالمیانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قدم بقدم طے کیا۔ زہے نصیب ابوبکر، زہے شان ابوبکر، جس کو سفر میں ایسا رفیق خیر ملا، جس کے پاک لقاء کے لیے سکانِ عالَم ملکوت بھی ترستے ہیں۔ ایسا خوش سفر ایسے مبارک دوست کے ساتھ نصیب ہونا، کسی خوش طالع (خوش نصیب) کی قسمت میں ہی ہوتا ہے۔'' [**السیف المسلول**: ۴۰، ط:۲۰۱۱ء]

آیت غار کی روشنی میں فضائل صدیق اکبر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس آیت میں فضائل صدیقؓ اکبر ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔

[۱]۔ ایسے ہولناک وقت میں بامرِ الٰہی ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ہونا اور صدیق اکبرؓ کا ایسے پر خطر خدمت کا بصدقۂ دل قبول کرنا، اور دشمن کی تلواروں کے سایہ تلے سے اپنے پیارے آقا کو بچا کر غارِ ثور میں لے جانا صدیق اکبرؓ کے فضل عظیم پر روشن دلیل ہے۔

[۲]۔ خدا کے حضور سے **ثانی اثنین** اور **لصاحبه** کے دو عظیم الشان خطابات کا عطا ہونا، رسول خدا کا ''**لاتحزن**'' ایک تسلی بخش اور تسکین دہ فقرہ بھی اس عاشق صادق کے لیے کچھ کم فخر نہیں ہے۔ اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عاشقانِ ذات احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اس محبوب دو جہاں کے منہ سے کوئی معمولی اور اتفاقیہ فقرہ یا خطاب بھی سن لیا کرتے تھے۔ اگرچہ بظاہر وہ فقرہ یا خطاب ان کی ہتک یا زجر وتوبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کی غرض سے ہی ہوتا وہ مدت العمر اس کا لازمی ورد رکھتے اور اپنے ہم نشینوں میں اس پر فخر ومباہات کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰؓ جب کہ گھر سے کچھ منغض (ناراض) ہو کر مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ڈھونڈتے ہوئے سر پر جا کھڑے ہوئے۔ ان کے جسم پر لگی مٹی دیکھ کر آپؐ نے فرمایا۔ **قم یا أبا تراب!** وہ فقرہ ''ابوتراب'' جناب علی المرتضیٰؓ

کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ اپنی کنیت ہی اس کو بنا لیا۔......اَب خیال فرمایئے کہ آنجناب ﷺ کا اس خلوت کی مجلس میں ابوبکر صدیقؓ جیسے عاشق صادق اور جانثار کو "**لاتحزن**" کا دلاسہ دینا اور پھر اس پیارے راحت بخش فقرے کا رب العزت کے حضور میں منظوری کا شرف حاصل کر کے کلام الٰہی میں درج ہونا، یہ فخر صدیق اکبرؓ ہی کے حصے میں تھا۔ کون ہے جو صدیقی رتبہ کی ہمسری کا دم بھر سکتا ہے؟ کون مردود ہے جو صدیقی فضائل سے انکار کر سکتا ہے؟

[۳]۔ پھر صاحبان دوسرا پاک فقرہ جو'**لا تحزن** '' کے بعد صدیق اکبرؓ نے اس زبان فیض ترجمان سے سنا تھا۔''**اِن اللہ معنا** '' کا تعظیمی فقرہ ہے۔ جو صدیق اکبرؓ کی عظمت پر روشن دلیل ہے۔ جانتے ہو معیت ایزدی کیا معنی رکھتی ہے؟ خدا کن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے؟

اِنَّ اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون. خدا کی معیت محسنین اور متقین کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ تو جب معیت ایزدی آیت مذکورہ کی رو سے صدیق اکبرؓ کے لیے مخصوص ہو گئی تو پھر ان کا متقی اور محسن ثابت ہونا کسی اور دلیل کا محتاج نہ رہا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا متقی ہونا نص صریحہ سے ثابت ہے:

مَعَنَا جمع کی ضمیر پر غور کریں۔ "**مَعِیَ**" یا ''**مَعَکَ**'' نہیں فرمایا بلکہ ''**معنا**" یعنی میرے اور تیرے، دونوں کے ساتھ ہے۔ اگر صدیق اکبرؓ ایسے ہائل وقت میں حبیبِ کبریا اور رسول الٰہی کی سچی معیت اختیار نہ کرتے تو کیونکر اس قدر اکرام و اجلال درگاہ رحمانی سے میسر ہو سکتا۔ اس سچی خدمت گزاری کا اجر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس خاص تعلق حضور کبریائی اور معیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے حصہ لے لیا۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین.**" (بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔)[**السیف المسلول**: ۴۲/تا ۴۴، ط: ۲۰۱۱ء]

اس کتاب **السیف المسلول** میں مولانا دبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ساقی کوثر شافع محشر جان جہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرستار غازیان اسلام چار یار کے اوصاف جمیلہ ان الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں:

''پارہ: ۲۶/سورۃ فتح کی آیت: **محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار، رحماء بینھم، تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا، سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** . ترجمہ: محمدؐ خدا کا خاص سفیر ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں، آپس میں محبت کرنے والے ہیں، تو ان کو دیکھتا ہے، رکوع و سجود کرنے والے، خدا کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کے چہروں میں سجود کے نشان موجود ہیں۔

اس آیت میں حق سبحانہ وتعالیٰ ان خوصانِ بارگاہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جمیلہ اور اعلیٰ

ہمت و جواں مردی، باہمی اتفاق اور نیک چلن واطاعتِ الٰہی کی تعریف فرما رہے ہیں۔یعنی اس اسلامی شہنشاہ کی فوج کی کمانڈ ان بہادروں کے ہاتھ میں ہے، جو دل سے اس شہنشاہِ وقت کا ہر وقت پورا ساتھ دینے والے ہیں۔**والذین معہ** کے مضمون اور معیت کے معنی پر خوب غور فرمایئے۔''**اشداء علی الکفار**'' یعنی دشمن کی فوج پر غیض وغضب سے ٹوٹ پڑنے والے ہیں۔اور دشمن پر ان کی شدت اور قہر صولت کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ دیکھتے ہی اس کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔**رحماء بینھم**۔یعنی آپس میں ایک دوسرے پر جان دینے والے ہیں۔صحابہ کرامؓ کے باہمی اتفاق ظاہر کرنے کے لیے''**رحما**'' کا لفظ عجیب موزوں ہے۔وصف رحمیت ہزار اتفاق کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے اور واقعی اسلامی پیشواؤں کا اتفاق کوئی معمولی اتفاق نہ تھا بلکہ وہ سچے''**رحماء**'' تھے۔اسی پاک وصف نے دشمن کے ہر ایک مقابلے میں ان کو غالب اور فتح یاب کر دیا۔معمولی اتفاق بھی دشمن کے مقابلے میں بہت کچھ کامیابی کا منہ دکھا دیتا ہے۔ چہ جائے کہ اتفاق رحمیّت کی حد تک پہنچا ہوا ہو۔جس پر ہزاروں اتحاد قربان ہیں۔افسوس اس ''**رحماء بینھم**'' کے مسلمہ وصف میں بھی شیعہ صاحبان دست اندازی کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

''**تراھم رکعاً سجداً**'' یعنی باوجود اس اقتدار عظیم کے جو اِن اسلامی فوج کے سرداروں کو حاصل ہے۔پھر بھی وہ رب العزت کی جناب میں سرِ نیاز خم کیے ہوئے ہیں۔دیکھ لو''**سجداً**'' بلکہ سر عجز زمین پر رکھا ہوا ہے۔اور یہ الٰہی پلٹن کے آفیسر کسی دنیاوی اعزاز کے طالب نہیں۔ان سچی خدمات کے عوض کوئی مال ودولت طلب نہیں کرتے۔ **یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً**۔صرف اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کا پروانہ مانگتے ہیں۔ان سرداروں کی شناخت کے لیے وردی کے ساتھ بیج لٹکانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ان کی شناخت کے لیے ان کے ماتھوں پر کثرت سجود کے باعث''قدرتی نشان'' تاباں ودرخشاں ہیں۔'' [**السیف المسلول**:۴۸، ط:۲۰۱۱ء]

ملت احمد مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شیرازہ بندی کے لیے حق تعالیٰ نے ہر دور میں مردان خدا پیدا کیے۔ان میں شیخ العرب والعجم حضرت سیدنا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ ہوں یا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ ان جیسے دوسرے اکابرین آسمان رشد وہدایت کے ستارے لے کر ہر دور میں جگمگاتے رہے۔ان کے تحریری اور تقریری پیغامات کے ذریعے ان کی ذات تک ان شاء اللہ اس وقت تک رسائی ہوتی رہے گی جب تک خدائے لم یزل کا یہ دین قائم رہے گا

ع جب تک سورج چاند رہے گا، سنی تیرا نام رہے گا

فکر معاش اور ذاتی عزت وجاہ کی طلب سے کوسوں دُور زمانے کی امامت وسیادت کے لیے گمراہ فرقوں کا عقابی تعاقب کرتے ہوئے حق وباطل میں شرکت کبھی قبول نہ کی۔قرآن کریم اور دین اسلام کو

بازیچہ تاویل بنا کر تازہ شریعت ایجاد کرنے والوں کے اپنی تحریری وتقریری ضرب سے گریباں چاک کیے۔ اس طرح وہ آیات الٰہی کے سچے پکے نگہبان ٹھہرے۔ اپنی زاہدانہ زندگی کے ساتھ پلٹنا جھپٹنا پلٹ کر جھپٹنا انہیں اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میراث میں ملا تھا۔ ہاں ان کی جرأت گفتار کے چند نمونے قاری کو بتادیں گے کون کیسے سرمایہ شبیری سے سرفراز ہوا

بخدا ہیں وہ عالم رفعت کے آفتاب

ناپید وہاں ستاروں کی درخشاں ہوتی ہے

۲۹/جنوری ۱۹۷۹ء میں ضلع چکوال کے ایک چھوٹے گاؤں ''بھون'' میں ایک عظیم الشان سنی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تمام دینی اور شرعی عقائد واعمال، انفرادی اور اجتماعی ملکی اور بین الاقوامی قوانین کی ماخذ کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول اللہ ہے، بلکہ کلام الٰہی کے الفاظ وکلمات کا ثبوت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت و حدیث پر ہی موقوف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں جن اہل ایمان کو بلاواسطہ زیارت نبویؐ کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوئی ان کا ایمان بالقرآن بھی ایمان بالرسول کے واسطہ ہی سے نصیب ہوا ہے۔ مراد خداوندی کے تحت قرآن حکیم کی تعلیم وتفسیر اور تشریح کا ثبوت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث وسنت پر ہی مبنی ہے۔ اور قرآن اور شرعی احکام کا کامل ترین نمونہ عمل بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت جامعہ ہی ہے، انہوں نے کہا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر یقین وایمان رکھنے والے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ہادی اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مقدسہ کے ساتھ اپنے ایمانی اور روحانی تعلق کا بلاخوف لومۃ لائم (بغیر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کے) کھلم کھلا اظہار کرکے ان سب اعتقادی اور عملی فتنوں کا سدِ باب کریں جو اسلام کے نام پر سادہ لوح ناواقف مسلمانوں کو راہ حق صراط مستقیم سے ہٹا کر کفر و باطل اور الحاد اور زندقہ کے جہنمی راستوں پر چلانے کی کوشش کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مقدسہ سے نسبت کی بنا پر تمام اہل اسلام رحمۃ للعالمین خاتم النبین کی شاہراہ سنت پر گامزن ہوکر فلاح دارین حاصل کرسکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی اتباع اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت اور جنت کے حصول کی پیروی کو شرعاً حجت تسلیم کرنا ایمان کی علامت اور اس کا انکار عدم ایمان کی نشانی ہے۔......

جماعت رسول ﷺ کے تمام افراد صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ رسالت محمدیہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ مومنین کاملین کی وہی وہ جنتی جماعت ہے جن کو رب العالمین نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت عالمِ

اسباب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غلبۂ دین کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لیے سنتِ رسول کے اظہار کے بعد جماعتِ رسول سے نسبت کا اظہار بھی ضروری ہے۔ تاکہ اس دینِ کامل اور راہ جنت کی پوری پوری نشان دہی ہوجائے جو مابعد کی امت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی جنتی جماعت کے واسطہ سے ملا ہے۔ ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم رسالت کے سایہ میں اپنی مجاہدانہ سرفروشیوں سے نصرت خداوندی کے تحت کفار کی جنگی قوتوں کو پاش پاش کرکے اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ڈنکا بجادیا۔‘‘ ؎

ظلمت کدہ خاک پہ شاکر نہیں رہتا
ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشو و نما

حضرت قائد اہل سنتؒ نے حضرت پیر خورشید احمد صاحبؒ [خلیفہ اعظم: حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ] کی قیادت وامارت میں خدام اہل السنۃ والجماعۃ کے نام سے ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت کے قیام کے مقصد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’پاکستان میں اہل السنۃ والجماعۃ تقریباً نو دس کروڑ کی تعداد میں آباد ہیں۔ لیکن باوجود اتنی عظیم اکثریت کے بحیثیت اہل سنت ملک میں ان کا کوئی خاص مقام اور نام نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں عوام اہل سنت اپنے مذہب سے ناواقف وغافل ہیں، وہاں سوائے علمائے حق کے خواص اہل سنت بھی اپنے مذہب حق کو عموماً نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس امر کی شدید ضرورت سمجھی گئی کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عنوان سے ایک اپنی دینی جماعت قائم کی جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرمودہ معیار حق: **ما انا علیہ واصحابی**۔ یعنی سنت وجماعت کی طرف مسلمان اہل سنت کو عام دعوت دیکر ایک جماعتی نظام قائم کرے۔ تاکہ پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے استحکام میں وہ زیادہ موثر کردار ادا کرسکیں۔ اس جماعت کی دعوت کوئی نئی نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد چودہ سو سال کے مذہب اہل سنت کی تبلیغ وتحفیظ ہے۔‘‘

مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کی ترویج کے لیے جماعت کے پلیٹ فارم سے ملک کے طول وعرض میں جلسے منعقد کیے جاتے۔ جن میں سالانہ دو روزہ سنی کانفرنس بھیں اور جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کا سالانہ تین روزہ اجتماع (جو کہ مجاہد کبیر خطیب بے بدل حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ کے زیر انتظام آپ کے قائم کردہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام میں منعقد ہوتا تھا) نمایاں خصوصیات کے حامل تھے۔ حضرت قاضی صاحبؒ جلسہ منعقد کرنے والوں اور ان کے معاونین کو اپنا محسن سمجھتے تھے، فرماتے تھے:

’’مقرر حضرات ان لوگوں کا احسان سمجھیں جنہوں نے لوگ اکٹھے کیے، اسٹیج سجا کر سپیکر کرسی کا

بندوبست کرکے آپ کو تبلیغِ دین کا موقع فراہم کیا۔ ورنہ حضور رحمۃ للعالمین تبلیغ دین کے لیے جاتے تو پتھروں، راستے میں رکھے کانٹوں اور نازیبا کلمات سے آپ کا استقبال کیا جاتا۔‘‘

تقریر، تبلیغ مبلغ اور مقرر کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا:

’’تقریر آج کے دور میں یہ ہے کہ سامعین بھرپور ہوں خوب زور شور سے بیان کریں۔ کبھی جوش، کبھی سر، اُتار چڑھاؤ کا لحاظ پر۔ جب کہ تبلیغ یہ ہے اور ایسا ہونا چاہیے کہ سامعین کی قلت و کثرت بھی پیش نظر نہ ہو۔ انہیں خوش کرنے کے لیے لہجہ میں بناؤ سنگھار اتار چڑھاؤ بھی نہ ہو۔ بس حق بات سمجھانے اور پہنچانے کی دھن سوار ہو۔‘‘

اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے جماعتی احباب کی اصلاح کا کتنا خیال تھا؟ حضرت رحمہ اللہ کو اللہ پاک نے کئی حج اور عمرے نصیب فرمائے۔ آپ اپنے پاس ایک نوٹ بک رکھتے، دوران تلاوت تدبر اور تفکر کرتے ہوئے پیش آنے والے مشاہدات وواردات، استدلالات نوٹ فرمالیا کرتے۔ ملاحظہ ہو!

’’اکتوبر ۱۹۷۷ء [۱۸/ذیقعدہ] تلاوت قرآن کے دوران آیت **لتکونوا شھداء علی الناس** سے استدلال فرمایا چونکہ آیت ہذا کے اول مخاطب ومصداق جماعت صحابہ کرامؓ ہے۔ **وان کانت لکبیرۃ الاعلی الذین ھدی اللہ** ۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے تحویل قبلہ میں شک نہیں کیا۔ اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ **قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء**: تحقیق ہم دیکھتے ہیں آپ کے چہرے کا بار بار اٹھنا آسمانوں کی طرف) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عظیم تجلی گاہ ربانی کے قبلہ ہونے کے لیے بے تاب تھے۔ **الاالذین ظلموا** ۔ (مگر وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا) سے ثابت ہے کہ جو لوگ صحابہ کرامؓ کے خلاف حجت بازی کریں وہ ظالم ہیں۔ اس کے بعد کی آیات میں ان کے بتوسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تزکیہ کا تذکرہ ہے۔ **فلا تخشوھم واخشونی** ۔ اعدائے صحابہ سے کسی طرح خوف نہ کھانا چاہیے۔ اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا روافض کے عدم تعاون سے خوف زدہ ہوکر سیاسی زعماء کا ان سے تعاون واتحاد قائم کرنا آیت مقدسہ کے تقاضا کے خلاف ہے۔ **واذا سئلک عبادی عنی فانّی قریب** سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندوں کے لیے واسطہ قرب وفیوضات الٰہیہ ہیں۔‘‘

حضرت قائد اہل سنت کے یہ فرمودات بطور نمونہ ہم نے نقل کیے ہیں۔ حضرت ساری زندگی صبر ورضا کی تصویر بنے رہے۔ سنت پر عمل آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے۔ آپ کے فرزند نسبتی ہمارے خالو مولانا زاہد حسین رشیدی جنہیں آخری ایام میں حضرت کی خدمت نصیب ہوئی فرماتے ہیں: وصال

سے چندرات قبل تقریباً ۳/بجے مجھے طلب فرمایا، گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔فطری گھبراہٹ کی وجہ سے میں جوتا دائیں کے بجائے بائیں پاؤں میں پہنانے لگا۔حضرت نے بائیں پاؤں کی انگلیاں موڑ کر عملاً پہننے سے انکار کر دیا۔ میں کچھ نا سمجھی کے عالم میں پہنانے پر اصرار کرتا ہوں، حضرت انکار فرماتے ہیں، بالآخر پھولے ہوئے سانس میں بڑی مشکل سے فرمایا: دایاں۔دایاں!! آخری ایام میں مسواک بار بار مانگی۔بغیر کسی ذاتی کوشش کے خدا تعالیٰ کی عطاء سے حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوصال ساتھ موافقت نصیب ہوئی۔آپ کا ایک شعر ہے

ہے مظہر بھی محتاج و عاصی سراسر
تو شان کریمی کی اس پر نظر کر

ان بیم و ریا سے پاک انفاس نے ہر لحظہ نورِ حق چمکایا۔انہوں نے زنداں کو محفل عیش جانا۔ گلستان محمدی کے ان مؤذنوں نے ظلمتِ شب کو نور سے اجالا۔نورِ توحید، اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق بلالی کے تذکرے دھرانے کے آج بھی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ ہر سال ماہ محرم الحرام میں آپ کے والد مکرم مولانا کرم الدین دبیرؒ کی یاد میں آپ کے آبائی گاؤں موضع بھیں ضلع چکوال میں ''سنی کانفرنس'' کا اہتمام کیا جاتا ہے۔علمائے حق اور عوام کے قافلے پر پورے جوش وخروش سے مظہر صدق و صفا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نعرۂ تکبیر، شانِ رسالت، شانِ صحابہ اور خلافت راشدہ حق چار یار بلند کر کے سنیت کا نور پھیلاتے ہیں۔صداقتِ صدیق، عدالتِ فاروقی، سخاوت ذوالنورین، شجاعت علی کی داستانیں قلب باطل پر ہیبت طاری کر دیتی ہیں۔ کہیں وعظ ونصیحت کے لیے جلسوں کا انعقاد ہے تو کہیں درس وتدریس کے ذریعے علوم شریعت پر عوام گوش برآور ہیں۔الحمد للہ ۲۸/جنوری ۱۹۵۵ء سے قائم ہونے والا جامعہ اظہار الاسلام مولانا مفتی قاری جمیل الرحمٰن مدظلہ العالی کی سرپرستی میں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔اس کی شاخ جامعہ اہل سنت تعلیم النساء سے فیض شریعت کا چشمہ رواں ہے۔ جو مولانا زاہد رشیدی کے زیر اہتمام مائل بہ ترقی ہے۔ داعی توحید وکیل رسالت وکیل صحابہ ۲۶/جنوری ۲۰۰۴ء عالم فانی سے عالم باقی کی طرف رحلت فرما گئے۔اِنا الیہ وانا الیہ راجعون

اے حصار دین حق کے پاسباں مظہر حسین
گلشن اسلامیہ کے پاسباں مظہر حسین
سر زمین پاک کے شاہیں جوانوں کے لیے
ہے سبق آموز تیری داستاں مظہر حسین

مولانا عبدالحق خان بشیر بن امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ حیات النبیؐ کے بارے میں ایک فتویٰ اور
''احسن الفتاویٰ'' طبع جدید کے مرتبین کی علمی بددیانتی

فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نوراللہ مرقدہ کا شمار پاکستان کے اُن چند اہل تحقیق علماء میں ہوتا جن کی علمی و تحقیقی خدمات کو ہمیشہ قدر واعتماد کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اُن کے مزاج کی شدت اور بعض جزوی وفروعی مسائل میں اُن کے تفردات کے باوجود ان کے علم ودیانت میں کبھی شبہ نہیں کیا گیا، وہ اُصولی عقائد وافکار میں علماء اہل سنت دیوبند کے مسلک پر پوری طرح کاربند تھے اور اِس بارے میں دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ پر بھرپور اعتماد کرتے تھے۔ بدقسمتی سے ''جامعہ الرشید کراچی کے دارالافتاء والارشاد'' کی موجودہ فتویٰ نویس ٹیم کا حالیہ مصلحت پرستانہ طرزِ عمل حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شخصیت اوران کی مسلکی حیثیت کو بری طرح متاثر کررہا ہے اوران کے چند تفردات (مثلاً: فرض نمازوں کے بعد دعا اور شب برات کی تحقیق وغیرہ) کو علماء اہل سنت دیوبند کی تحقیقات کے بالمقابل لاکر اور رسائل و جرائد کے ذریعے ان کی خصوصی تشہیر کرکے انہیں اس انداز سے پیش کیا گیا کہ ان کی علمی و تحقیقی خدمات سے ناواقف و بے خبر لوگ واقعی انہیں جماعت اہل سنت دیوبند سے الگ ایک مستقل مکتب فکر کا بانی سمجھنے لگے ہیں، ان کی علمی شخصیت اور مسلکی حیثیت کو مجروح کرنے اور انہیں جماعت دیوبند سے کاٹنے کی کوشش میں جامعہ الرشید کراچی کے دارالافتاء والارشاد کا کیا کردار ہے۔ اس کی ایک جھلک اور نمونہ پیش خدمت ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دیگر تمام عقائد ونظریات کی طرح عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکابرین علماء اہل سنت دیوبند کے مسلک دیوبند پر پوری طرح طرح قائم تھے اوراس بارے میں اُس فتوے پر پورا اعتماد کرتے تھے جو اختلافات کے ابتدائی دَور میں مدرسہ حیات النبی، جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ محلّہ حیات النبی گجرات کے بانی حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو اُن دنوں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے معاون و رفیق کی

حیثیت سے ان کی مسجد میں درس و تعلیم کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اور بعد میں شاہ صاحب کے مسلک اہل سنت دیوبند سے اختلاف کی وجہ سے اُن سے علیحدگی اختیار کرلی) کے استفتاء کے جواب میں دارالعلوم دیوبند سے جاری کیا گیا چنانچہ جب مفتی صاحبؒ سے اِس عقیدہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا تو اُنہوں نے اس فتویٰ کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے درج ذیل فتویٰ جاری فرمایا:

’’سوال مثل بالا:

سوال: آج کل پنجاب میں مسئلہ حیات النبی کا بہت چرچا ہے ہرجگہ اسی سے متعلق سرگوشیاں نظر آرہی ہیں۔ امید ہے کہ اس میں قول محقق و فیصل تحریر فرما کر رہنمائی فرمائیں گے۔

الجواب و منه الصدق والصواب:

بندہ کے خیال میں اس مسئلہ کو جانبین نے انتہائی اہمیت دے کر اتنا غلو کیا ہے کہ حدود سے بہت تجاوز کرگئے ہیں۔ مسئلہ کی ایسی اہمیت نہ تھی کہ اس پر اختلاف وافتراق تک نوبت آئے اور اگر کچھ اختلاف کرنا ہی تھا تو صرف علماء تک محدود رکھنا ضروری تھا۔ ہزاروں مسائل میں علماء کا اختلاف انظار ہے، مگر ایسے مسائل کو عام سطح پر لاکر عامۃ المومنین کے اذہان کو مشوش کرنا، مناظروں کے چیلنج دینا، ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی اور پمفلٹ شائع کرنا اور اسی موضوع پر جلسے قائم کرکے امت کے شیرازہ کو اس طرح منتشر کرنا کوئی جواز نہیں رکھتا۔ علماء کا افتراق لازمی طور پر اس کا منتج ہوتا ہے کہ عوام علماء دین سے متنفر ہوکر دین کی رہی سہی رغبت و محبت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اِن حالات کے پیش نظر اس مسئلہ پر قلم اُٹھانے کو طبیعت نہیں چاہتی۔ مگر چونکہ حال ہی میں دارالعلوم دیوبند سے ایک مضمون شائع ہوا ہے جو مختصر ہونے ساتھ کافی ووافی ہے، لہٰذا تعمیل حکم کی خاطر نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ **وھو ھذا**

سوال: مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **علی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیم** عوام وخواص میں اختلاف وافتراق کی شکل اختیار کرچکا ہے، ازحد کشیدگی پیدا ہونے کی وجہ سے حقیقت حال جانبین (عرض) کرنے کے بعد آخری فیصلہ مطلوب ہے، تاکہ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدہ کو صحیح قبول کرلیں۔

حمید کہتا ہے کہ: قرآن مجید کی آیات **کل نفسٍ ذائقة الموت، انک میت وانھم میتون**، اور احادیث صحیحہ، خطبہ ابوبکر صدیق: **ان محمدا قد مات**، بخاری کی روایات: **خرجت نفسه مع الرفيق الأعلى**، اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

خطبہ صدیقیہ پر اور مشاہدہ متواترہ، الغرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح جسم اطہر سے نکل کر جنت میں اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچ چکی ہے۔ وہاں سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع حیات روح کو مل چکی ہے۔ ہاں جسد مبارک قبر میں محفوظ ہے۔ اس پر صلوٰۃ وتسلیمات امت کی طرف بھیجے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بذریعہ ملائکہ یا خود ہر وقت جسد اطہر پر صلوٰۃ وتسلیمات برساتا رہتا ہے، یہ بھی حدیث ہے کہ: **ان صلوتکم معروضة علی.**

نیز فتاویٰ فقہائے امت کے الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت اور وفات پر موجود ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ: حضور زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو کیف بعد الممات۔ اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی **ھدایۃ الشیعہ** میں مسئلہ فدک میں لکھا ہے کہ: وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ کا مطالبہ، اور حضرت صدیقؓ کے جواب میں "**ما ترکنا صدقة**" کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ: جو کچھ ہم چھوڑ مرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت گنگوہیؒ بھی موت کے قائل ہیں۔

موت کے معنی تمام لغات میں روح کا جسم سے علیحدہ ہو جانا اور اس کا تعلق بالکلیہ جسم سے ٹوٹ جانا، انقطاع روح عن الجسد، جس کی حقیقت بخاری کی روایات میں بھی صاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پرفتوح جسم سے پرواز کر کے عالم بالا میں پہنچ گئی۔

اب اگر وفات کے بعد پھر روح جسم میں موجود ہو یا اس سے متعلق ہو تو فقہاء کرام کا "موت" کا لفظ استعمال کرنا غلط ہوگا۔ خواہ تعلق برزخی ہو یا دنیوی، کیونکہ موت کے معنی بالکلیہ انقطاع روح عن الجسد ہے۔ رہا عذاب قبر تو وہ ذرات یا اجساد کی برزخی زندگی ہے، جو بغیر تعلق روح کے بھی ہے۔ کیونکہ ساری چیزیں خدا کے حکم کا ادراک رکھتی ہیں۔ اگرچہ روح بھی نہ ہو تو قرآن کی شہادت موجود ہے: **وان من الحجارة لما یتفجر منه الانھار، وان منھا لما یھبط من خشیة اللہ. وان من شیء الا یسبح بحمدہ.**
ہاں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی برزخی حیات ہے۔ بایں معنی کہ روح انور عالم بالا میں ارفع واعلیٰ زندگی رکھتی ہے جو اس دنیوی زندگی سے کہیں بڑھ کر ہے اور جسد اطہر روضہ

مطہرہ میں بغیر تعلق روح کے محفوظ ہے۔ **(باذن اللہ احتراما)**

لہٰذا بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا عقیدہ جو آب حیات میں درج ہے اور المہند علی المفند میں مع تصدیقات علماء کرام موجود ہے۔ قرآن مجید، احادیث صحیح اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء امت اور حضرت گنگوہیؒ اور لغات عربیہ کے سراسر خلاف ہے، بلکہ نانوتویؒ عقیدہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح جسم اطہر سے نکلی ہی نہیں، بلکہ مسیح دجال کی بھی یہی حالت ہوگی۔ تو گویا دونوں کی حیات دائمی ہے۔ حضور کی منبع ہدایت اور مسیح دجال کی منبع ضلالت۔ اور دائمی حیات تو صرف باری تعالیٰ عزاسمہ کے لیے ہے، وہی حی اور قیوم ہے۔ لیکن بانی دارالعلوم کے عقیدہ کے مطابق حضورؐ اور مسیح دونوں حی ہیں اور حضور قیوم بھی ہیں، یہ موہم شرک عقیدہ ہے، نیز مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی ہمارے پاس موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ جمہور کا مسلک برزخی حیات ہے نہ کہ دنیوی۔

حبیب کہتا ہے: میں علماء دیو بند کا مقلد ہوں اور المہند علی المفند میں اور آب حیات میں جو کچھ لکھا ہے وہ میرا عقیدہ ہے۔ حمید کے دلائل کا جواب دارالعلوم دیو بند سے حاصل کرو۔ لہٰذا مہربانی فرما کر تفصیلی جواب **بالادلتہ الصحیحۃ** باحوالہ دیں تا کہ اہل حق جو درالعلوم سے منسلک ہیں اپنے اس عقیدہ کو قرآن وسنت، اجماع صحابہؓ اور اقوال فقہاء امت کی روشنی میں ثابت کرسکیں، ورنہ نوبت بایں جارسید کہ مناظرہ بازی تک حالات پہنچ چکے ہیں۔ مخالفین مولانا نانوتویؒ کی عبارات کو پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ یہ قرآن وسنت کے خلاف عقیدہ ہے، جس کا بانی یہ عقیدہ رکھے تو متبعین کو ہدایت کہاں نصیب؟ خدارا فرصت اولین میں بالتفصیل جواب دیں تا کہ ہم اس کی نقلیں سارے پاکستان میں بھیج کر لوگوں کو اختلاف سے بلکہ افتراق سے بچالیں، طرفہ یہ کہ دونوں پارٹیاں اپنے آپ کو دیو بندی کہتی ہیں، یہ بھی فرمائیے کہ مخالف پارٹی دیو بندی سمجھی جائے گی؟ بایں وجہ کہ علماء دیو بند سے سند حاصل کی ہے اور اکثر عقائد میں متفق ہے، بلکہ فقہی مسلک بھی وہی ہے۔ نیز جو احادیث حضرت نانوتویؒ کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں، ان کے راوی مجروح ہیں، کوئی صحیح حدیث جو متفقہ طور پر صحیحہ ہو حضرت کے عقیدہ کو ثابت نہیں کرتی۔ **بینوا تو جروا۔**

حضرت مہتمم صاحب کی تصدیق مع ادلہ ہوجائے تو زیادہ موزوں ہے، اگر حضرت مہتمم صاحب مستقل رسالہ لکھیں تو بھی۔

المستفتی ابوالاعجاز حفیظ الرحمٰن نذیر اللہ خان۔ جامع مسجد، کالری دروازہ گجرات

الجواب:

حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ میں جو رائے اور عقیدہ علمائے دیوبند کا ہے وہی حق ہے، فی نفسہ مسئلہ حیات پر علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے۔ البتہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اوران کے متبعین وہابیوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور وہ لوگ شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری طرح محفوظ نہیں رکھتے۔ اس مسئلہ کے صرف علماء دیوبند ہی قائل نہیں ہیں، علماء سابقین حنفیہ وغیر حنفیہ، شافعیہ و مالکیہ وغیرہم نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ زرقانی، مواہب لدینہ، انباء الاذکیاء، شفاء السقام وغیرہ کتب میں صراحتہ یہ مسئلہ موجود ہے۔ شیخ الحدیث محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات اور جذب القلوب میں اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ ''اشعۃ اللمعات'' میں فرماتے ہیں: ''حیات انبیاء متفق علیہ اس ہیچ کس رادر دے خلافے نیست، حیات دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔'' اور جذب القلوب میں فرماتے ہیں: ''بدانکہ درحیات انبیاء علیہم السلام وثبوت ایں صفت مرایشان راوترتب آثار و احکام آں ہیچ کس راز علماء خلاف نیست۔'' دراصل اشکال اس وجہ سے پیش آرہا ہے کہ حیات وموت کی تعریف منکرین نے نہیں فرمائی۔ اس لئے موت کے بعد یا موت کے ساتھ حیات کا بقاء مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا عرض ہے:

(۱)......حیات اُس صفت کا نام ہے جو بدن کے ساتھ روح کے ایک خاص قسم کے تعلق سے جسم کو حاصل ہوتی ہے، جس کی کیفیت نامعلوم ہے۔

(۲)......اور موت اسی تعلق خاص کے انقطاع کا نام ہے، اگر موت عدمی ہو۔ اور اگر موت وجودی ہو اور تحقیق یہی ہے تو موت ایک ایسی صفت ہے جو صفت حیات کے زوال پر بدن کو عارض کرتی ہے، اگر بدن کے حق میں یہ دونوں صفتیں عارضی ہوں یا صفت حیات کو ذات موصوف میں مستور ومحبوس کر دیتی ہے اور خارجی طور پر خود جسم کو عارض ہوجاتی ہے، اگر صفت حیات اپنے موصوف میں صفت ذاتی ہو پہلی صورت غیر انبیاء میں ہوتی ہے

اور دوسری صورت انبیاء علیہم السلام کے حق میں موت کی حالت میں بھی روح کا جسم سے بالکلیہ تعلق منقطع نہیں ہوا کرتا بلکہ ایک نوع کا تعلق عوام مومنین حتی کہ کافرین کے اجسام یا اجزاء اجسام کے ساتھ باقی رہتا ہے۔

(۳)......روح کے بدن میں مقید ومحبوس رہنے کا نام حیات نہیں ہے روح بدن سے نکل بھی جائے لیکن اس کا تعلق خاص بدن سے منقطع نہ ہو تو بدن کو صفت حیات حاصل رہے گی اور رہتی ہے چنانچہ نیند میں روح بدن سے باہر چلی جاتی لیکن چونکہ وہ تعلق خاص اس کا بدن منقطع نہیں ہوتا اس لیے حیات جسمانی باقی رہتی ہے اور دنیا کا کوئی بے وقوف بھی سوتے آدمی کو مردہ نہیں کہتا۔ خواب اور موت کی حالت میں بھی روح کے بدن سے نکالنے کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ **وھو الذی یتوفکم بالیل** (الایۃ) **اللہ بتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منا مھافیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی** (الایۃ) آخری آیت میں امساک و ارسال کا ذکر فرمانا تو صریح دلیل ہے کہ روح جسم سے باہر نکال کر روک لی جاتی ہے۔ یا چھوڑ دی جاتی ہے، اگر روک لی جائے اور اس کا بدن سے وہ تعلق خاص منقطع کر دیا جائے تو جسم کو موت عارض ہوجاتی ہے اور اگر نکال لی جائے اور اس کا تعلق خاص منقطع نہ کیا جائے تو صفت حیات جسم میں باقی رہتی ہے اور جب ارسال روح ہوجاتا ہے تو آثار وکیفیات حیات حسب سابق ظہور میں آجاتے ہیں اور تاوقتیکہ ارسال نہ ہو موت کے قریب قریب عدم احساس وعدم ادراک وغیرہ حالات طاری رہتے ہیں۔ اگرچہ پورے حالات وکیفیات موت کے نہیں پائے جاتے۔ بہرحال موت وخواب میں بعض اعتبارات سے مشابہت اور بعض اعتبارات سے مفارقت ہے۔ چنانچہ النوم اخ الموت مشہور ہے۔ پھر یہ بات بھی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند مبارک میں اور غیروں یعنی امتیوں کی نیند میں فرق ہے۔ امتیوں کی نیند میں آثار تیقظ احساس تمام ادراک جو پر نواقض وضو وغیرہ کا ادراک موقف ہے، زائل ہوجاتا ہے، جب کہ جسم کی نیند کے وقت میں ایسی ہیئت ہو کہ جسم کی سہار اور روک تھام استمساک ختم ہوجائے اس وقت قلب میں غفلت پیدا ہوجاتی ہے اور احساسات ختم ہوجاتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونیز دیگر انبیاء علیہم

السلام کی نیند سے نہ قلب کی یہ کیفیت ہوتی تھی نہ ادراکات واحساسات ختم ہوتے تھے حتیٰ کہ خواب کی حالت کے ادراکات بھی بیداری کی حالت کے ادراکات کی طرح متعین ہوتے ہیں اور بیداری کی حالت کی وحی کی طرح اور اسی کے حکم میں تھے، **تنام عینای ولاینام قلبی (او کما قال)** وغیرہ احادیث صحیحہ اس کی صریح دلیل میں ہیں پس اس سے ثابت ہوا کہ عروض نوم کے باوجود صفت بیداری زائل نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ کیفیات واحکام جو بیداری کے تابع اور اس کی فرع ہیں بغیر اپنے متبوع اور اصل یعنی بیداری کے نہیں پائے جاسکتے اور یہاں پائے جاتے ہیں، تولامحالہ اس اجتماع کی یہی صورت ہوسکتی ہیں کہ صفت بیداری اندرون جسم مبارک قلب پاک سے وابستہ ہوجائے اور ظاہر جسم مبارک پر نیند طاری ہوجائے اور بیداری میں پردہ خواب میں مستور ومحبوس ہوجائے اور بقاء بیداری کی وجہ سے احکام بیداری یعنی بقاء وضو باوجود ظاہری طور پر نیند کے باقی رہیں اور اس حالت میں آپ پر نائم اور مستقیظ دونوں کا اطلاق کیا جائے تو بالکل صحیح ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ آپ کے حق میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے حق میں بیداری صفت ذاتی ہے اور نیند صفت عرضی اور اہل عقل کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اوصاف عرضیہ کے عارض ہونے کے وقت میں اوصاف ذاتیہ زائل نہیں ہوتے اور نہ ہوسکتے ہیں، کیونکہ جو صفت ذات سے جدا ہوجائے وہ صفت ذاتی ہی نہ ہوگی عرضی ہوگی ٹھیک اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ودیگر انبیاء علیہم السلام کی موت وحیات کا معاملہ ہے کہ حیات جسمانی بھی انبیاء علیہم السلام کے حق میں صفت ذاتی ہے جو کہ عروض موت کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی، بلکہ پردہ موت میں مستور ہوجاتی ہے۔ جس طرح حالت خواب میں احکام بیداری یعنی طہارت جسمانی وضوع وغیرہ باقی رہے۔ اسی طرح حالت موت میں بھی صفت حیات جسمانی ذاتی ہونے کی وجہ سے زائل نہیں ہوئی اور اسی وجہ سے احکام حیات جسمانی مثل حرمت نکاح ازواج مطہراتؓ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اموال متروکہ میں میراث کا جاری نہ ہونا اور زندوں کی طرح جسم مبارک کا ہمیشہ محفوظ رہنا باقی اور ثابت ہے۔

اب سنئے کہ حمید نے جتنے دلائل اپنے دعویٰ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت بے حیات پر پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی دلیل دعویٰ مذکور ثابت نہیں کرتی،

صرف موت، خروج روح اور وفات کو ثابت کرتے ہیں۔ جس کا کوئی شخص بھی منکر نہیں ہے اور سابقہ گذارشات سے ثابت ہوا کہ خروج روح اور توفی تو کسی کے حق میں بھی زوال حیات کو مستلزم نہیں اور موت خصوصی طور پر انبیاء علیہم السلام کے حق میں سبب زوال حیات نہیں موت کے معنی بہت سے ہیں نہایہ ابن اثیر اور مفردات امام راغب میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس لئے اگر کسی لغت کی کتاب میں معنی **انقطاع الروح عن الجسد** موجود بھی ہو تو وہ طریقہ محصر نہیں ہیں بلکہ بطور قضیہ مہملہ کے ہیں کہ غیر انبیاء کے اعتبار سے صادق و صحیح ہیں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں اور نہ اب ضرورت ہے۔ ورنہ حمید کے ہر دعویٰ باطل کا تفصیلی رد ہوسکتا ہے۔ جسد اطہر کا روضہ اطہر میں بے تعلق روح محفوظ ہونا فرقہ وہابیہ میں سے ایک جماعت کا خیال باطل ہے اور جہالت محض ہے۔ اہل سنت والجماعت حتی کہ معتزلہ بھی تعلق الروح مع الجسد المطہر کے قائل اور معتقد ہیں، الغرض اکابرین دارالعلوم کا مسلک کتاب وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل موافق ہے اور اجماع صحابہؓ وفقہا امت کے کسی طرح بھی مخالف نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم:

محمد اکمل ۳۰/ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۷ھ

[احسن الفتاویٰ کامل مبوب: ۱۷۰ تا ۱۷۵، طبع اول]

لیکن بدقسمتی سے دارالافتاء والارشاد کراچی کی طرف سے ''احسن الفتاویٰ'' کا جو نیا ایڈیشن متعدد جلدوں میں شائع کیا گیا، اس کے اندر شرمناک حد تک بددیانتی کی گئی ہے۔ اس میں نہ صرف دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ خارج کرنے کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے بلکہ اس کے اندر اپنی طرف سے ایسی اضافی عبارت بھی شامل کردی گئی ہے جس نے فتوے کی روح کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ آپ بھی ذرا مفتیان دارالافتاء والارشاد کے ہاتھ کی یہ صفائی ملاحظہ فرمائیے!

''سوال مثل بالا:

آج کل پنجاب میں مسئلہ حیاۃ النبیؐ کا بہت چرچا ہے۔ ہر جگہ اسی سے متعلق سرگوشیاں نظر آرہی ہیں امید ہے کہ اس میں قول محقق وفیصل تحریر فرما کر رہنمائی فرمائیں گے۔ **والأجر عندالله الكريم**

الجواب و منه الصدق و الصواب:

بندہ کے خیال میں اس مسئلہ کو جانبین نے اہمیت دے کر اتنا غلو کیا ہے کہ حدود سے بہت تجاوز کر گئے

ہیں۔مسئلہ کی ایسی اہمیت نہ تھی کہ اس پر اختلاف وافتراق تک نوبت آئے اور اگر کچھ اختلاف کرنا ہی تھا تو صرف علماء تک محدود رکھنا ضروری تھا۔ ہزاروں مسائل میں علماء کا اختلاف انظار مگر ایسے مسائل کو عام سطح پر لا کر عامۃ المومنین کے اذہان کو متوش کرنا، مناظروں کے چیلنج دینا۔ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی اور پمفلٹ شائع کرنا اور اسی موضوع پر جلسے قائم کر کے امت کے شیرازہ کو اس طرح منتشر کرنا کوئی جواز نہیں رکھتا۔علماء کا افتراق لازمی طور پر اس کا منتج ہوتا ہے کہ عوام علماء دین سے متنفر ہو کر دین کی رہی سہی رغبت ومحبت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ان حالات کے پیش نظر اس مسئلہ پر قلم اٹھانے پر نہ عقل آمادہ ہے نہ طبیعت۔

مطلق حیات بنص قرآن ثابت ہے، بس اس اجمال پر ایمان رکھنا فرض ہے، اس کی تفصیل نہ منصوص ہے اور نہ اس پر ایمان رکھنا ضروری اور نہ ہی اس کی تحقیق وتدقیق کے ہم مکلّف ہیں، مجھے تو خطرہ ہے اس کی تحقیق میں پڑنا گستاخی نہ ہو ورنہ کم از کم غیر ضروری امر میں اوقات وقویٰ کی تضیع کے وبال سے تو خالی نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ. وقال صلی اللہ علامۃ اعراض اللہ تعالیٰ من العبد اشتعالہ بمالا یعنیہ وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللھم انی اعوذ بک من علم لا یفع و قلب لا یخشع ومن دعوۃ لا یستجاب لھا. تعوذ کے ان تینوں جملوں کی ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ علم غیر نافع میں شغل سلب خشوع قلب کا سبب ہے اور سلب خشوع قلب عدم استجابت دعا کا سبب ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۳۰/جنوری، ذی قعدہ ۷۷ھ [احسن الفتاویٰ: ۱۸۲/۴ تا ۱۸۳، طبع جدید]

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اصل فتوے کو بار بار ملاحظہ فرمائیے جس میں دارالعلوم دیوبند کے فتوے کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے علمائے اہل سنت دیوبند کے اجماعی تحقیقی مسلک کی پوری ترجمانی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ علمائے اہل سنت دیوبند روح مع الجسد حیات انبیاء کے قائل ہیں اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کتاب وسنت اور اجماع صحابہ وفقہا امت کے سراسر منافی ہے۔

لیکن بدقسمتی سے اس فتوے کے اندر ''احسن الفتاویٰ طبع جدید'' کے مرتبین وناشرین نے دارالعلوم دیوبند کے فتوے کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے علماء اہل سنت دیوبند کے اجماعی تحقیقی مسلک کی پوری ترجمانی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ علماء اہل سنت دیوبند روح مع الجسد حیات انبیاء کے قائل ہیں اور

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کتاب وسنت اور اجماع صحابہ وفقہا امت کے سراسر منافی ہے۔

لیکن بدقسمتی سے اس فتویٰ کے اندر ''احسن الفتاویٰ طبع جدید'' کے مرتبین وناشرین نے دارالعلوم دیوبند کا تائیدی فتویٰ حذف کر کے اور فتوے کے دوسرے پیراگراف کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے صریح بددیانتی کا ارتکاب کیا ہے حالانکہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصل فتوے کے اندر اس کا وجود تک نہیں پایا جاتا۔ طبع اول اور طبع جدید کے ان دونوں فتوؤں کے اندر جو واضح تضاد موجود ہے وہ کسی صاحب علم اور ذی شعور سے مخفی نہیں۔

(۱)......اصل فتوے کے اندر حضرت مفتی صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''ان حالات کے پیش نظر اس مسئلہ پر قلم اُٹھانے کو طبیعت نہیں چاہتی۔'' جبکہ طبع جدید میں یہ الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں کہ: ''ان حالات کے پیشِ نظر اس مسئلہ پر قلم اُٹھانے پر نہ عقل آمادہ ہے نہ طبیعت۔'' کیا فرماتے ہیں مفتیان دارالفتاء والارشاد اس بارے میں کہ اصل فتوے کے الفاظ میں یہ تبدیلی شرعاً جائز ہے؟

(۲)......اصل فتوے کے اندر دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بطور تائید فتویٰ کا حصہ بنایا گیا تھا، جسے طبع جدید میں فتوے سے خارج کر دیا گیا ہے۔ کیا فرماتے ہیں مفتیان دارالافتاء والارشاد کہ کیا یہ عمل دیانت کے خلاف اور خیانت پر مبنی نہیں؟

(۳)......طبع جدید میں فتوے کا دوسرا پیراگراف اصل فتوے میں موجود نہیں ہے، کیا یہ ناجائز اضافہ دیانت وامانت کا خون کرنے کے مترادف نہیں؟ اور کیا مفتیان دارالافتاء والارشاد شرعاً اس کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں؟

(۴)......اصل فتوے کے اندر تعلق روح کے بغیر حیات کو بعض نجدیوں کا شان رسالت کے خلاف باطل عقیدہ اور ان کی جہالت قرار دیا گیا ہے اور یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر روح مع الجسد ہے جو قرآن وسنت اور اجماع صحابہؓ وفقہاء اہل سنت سے ثابت ہے۔ جب کہ طبع جدید کے فتوے میں اس عقیدے کو غیر ضروری، غیر منصوص، علم غیر نافع اور اس کی تحقیق میں پڑنے کو وقت کا ضیاع اور وبال کا سبب قرار دیا جا رہا ہے۔ کیا فرماتے ہیں مفتیان دارالافتاء والارشاد اس بارے میں کہ ان میں سے کون سا فتویٰ صحیح اور کون سا غلط ہے؟ اور کیا یہ اصل فتوے کی روح کو فنا کرنے اور اصل حقیقت سے چشم پوشی کرنے کے مترادف نہیں؟ کیا اصحاب علم وتحقیق اس علمی بددیانتی کا نوٹس لینا پسند فرمائیں گے؟ [بشکریہ: مجلّہ نورِ بصیرت، بہاول پور]

☆......☆......☆......☆

جناب نثار معاویہ صاحب قسط:۳ (آخری)

معیتِ حبیبِ مظہر، درِ محبوبِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۱۱/جنوری ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ:

تہجد کے وقت صبح چار بجے حضرت شیخ کی معیت میں ناچیز گیٹ نمبر ۸/ سے داخل ہوا، جب پہلی چھتریوں والے حصہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو اچانک خلاف معمول حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ کل آپ نے دربارِ رسالت میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام کے لیے حاضری دی؟

حضرت شیخ کا سوال اور دربارِ رسالت کی غیر متوقع حاضری:

حضرت شیخ نے یہ دریافت فرما کر گویا ناچیز کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ دربارِ رسالت میں سابقہ دور کی حاضریوں کی فلم ذہن کی سکرین پر چلنے لگی اور ساتھ ہی شیخ العرب والعجم حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کا پسندیدہ شعر سامنے آ گیا ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

پہلے کتنی آزادی اور اپنی مرضی سے آدمی دربارِ رسالت میں کھڑا ہو کر معروضات پیش کر سکتا تھا، سامنے والے ستون کے پاس ہجوم کی صورت میں پیچھے دیوار کے ساتھ کھڑا رہ کر اپنے ارمان پورے کر لیتا تھا، اب ایک تو حکومتی پالیسی کی وجہ سے عمرہ کی سعادت اتنی مہنگی بلکہ مجھ جیسے ناداروں کی پہنچ سے بہت دُور ہو گئی ہے، نیز اَب حرمین شریفین کی انتظامیہ نے ایسی پالیسی بنالی ہے کہ کھڑے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بس چلتے چلتے ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے جائیں اور باقی حسرتیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی بھی حصہ میں بیٹھ کر پوری کر لیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بعد از وفات کا متفقہ عقیدہ سماع کو بھی شامل ہے۔ اور اس کی حدود مسجد نبوی کی حدود بتائی جاتی ہیں۔

لیکن جو مزہ گنبدِ خضری کے سامنے کھڑے ہو کر عرض و نیاز کا ہے وہ اب کہاں! موجودہ طریقہ کار کے مطابق بھی حاضری کو اللہ قبولیت سے نوازے آمین۔

ناچیز نے حضرت شیخ کے جواب میں عرض کیا: وہاں کھڑا تو ہونے نہیں دیتے، لیکن کل جمعہ کا

غیر معمولی رش ہونے کی وجہ سے حاضری بھی نہ ہو سکی۔ فرمایا: جوتے رکھو، چلتے ہیں! وہیں سامنے والے دروازے سے نکل کر ''باب السلام'' سے داخل ہو کر دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس طرح حاضری ہوئی کہ حیران ہو گیا۔ جب دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو خلافِ معمول شرطہ تھوڑے فاصلہ پر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے دربار میں کافی دیر کھڑے ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ناچیز تو شیخین کریمین کی خدمات میں سلام عرض کر کے دوبارہ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم ابھی تک شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے دربار میں باری باری سلام عرض کر رہے تھے جہاں میں دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں متوجہ تھا، وہیں شرطہ کی طرف کی بھی دیکھ لیتا تھا، میں نے دیکھا جوں ہی حضرت شیخ نے حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے فارغ ہو کر قدم آگے کی طرف اُٹھائے، شرطہ بھی اپنی کرسی سے اٹھ کر لوگوں کو آگے چلنے کے لیے کہنے لگا، ناچیز اُس کے کہنے سے پہلے ہی وہاں سے چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی کرم نوازی سے ہمیں اتنا وقت دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ٹھہرنے کی سعادت نصیب ہوئی، یہ بھی حضرت شیخ کے فیض کا کرشمہ تھا۔

نماز فجر کے بعد محمود الرحمٰن، حاجی عبد الغفار صاحب اور گل حسن صاحب بھی مل گئے، ہم سب وہیں سے مسجد قباء کی حاضری کے لیے چلے گئے، وہاں نوافل ادا کیے، آج بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی خواہش کے مطابق اُن کے لیے دو نفل پڑھنے کی اللہ نے توفیق عنایت فرمائی۔ نو بجے کے بعد رہائش گاہ پر آ گئے۔ نماز عصر کے بعد حضرت شیخ کی معیت میں جنت البقیع میں حاضری ہوئی، ازواج مطہرات، آلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے مزاروں پر حاضری اور دعا کی توفیق ملی۔ آخر میں مظلوم مدینہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت ملی اللہ مقبولیت سے نوازیں۔

۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ، ۱۲/ جنوری ۲۰۲۰ء بروز اتوار:

حسب معمول حضرت شیخ کی معیت میں تہجد کے وقت مسجد نبوی میں حاضری ہوئی۔ بندہ ناچیز دربارِ رسالت میں حاضری کے لیے چلا گیا، خیال تھا کہ شاید کل کی طرح آج پھر وہاں کچھ دیر کھڑے ہونے کا موقع مل جائے، لیکن شرطہ اپنی ڈیوٹی پر آج مستعد تھا اور زبان حال سے گویا تھا کہ: کل والی نعمت کے ملنے کے فیصلے کہیں اور سے ہوتے ہیں اور یہ انعام ہر کسی کے لئے نہیں بلکہ مخصوص ہستیوں پر ہوتا ہے، ناچیز بھی اُن کی ڈیوٹی کے ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے معمول کے مطابق ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کر کے آ گیا۔

وہاں سے باہر آیا تو بابِ صدیق رضی اللہ عنہ کے اندرونی حصہ میں جو مکان کی جگہ حضرت سائیں دامت برکاتہم نے بتائی تھی وہاں آ گیا۔ الحمد للہ اس مخصوص جگہ پر تہجد کے نوافل ادا کرنے کی سعادت ملی، اُس

وقت وہ جگہ بالکل خالی تھی، ایک تو لوگوں کی اس طرف توجہ نہیں ہوتی، دوسرا وقت تہجد کا تھا، الحمد للہ کسی رکاوٹ کے بغیر وہاں کافی دیر قیام نصیب ہوا، ناچیز کو وہاں کیا محسوس ہونا تھا، چشم تصور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قدموں والی جگہ پر بیٹھنا بلکہ اس جگہ پر سجدے کرنے کو بھی اپنے لیے باعث سعادت خیال کیا۔

آج صبح آٹھ بجے بدر میں غزوہ بدر کے مقام کی زیارت کے لیے جانے کا پروگرام تھا۔ محمود الرحمٰن صاحب، گل حسن صاحب، حاجی عبد الغفار صاحب، کامران صاحب ان کے بیٹے، جمن چانگ صاحب اور ناچیز نے جانا تھا، راستہ میں اُن دو کنوؤں کی زیارت اور پانی پینے کی سعادت ملی جن کا پانی کھارا ہونے کی وجہ سے دوران سفر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا اور پانی میٹھا ہو گیا تھا۔ بدر کے تاریخی میدان کی زیارت نصیب ہوئی جہاں کفر و اسلام کا پہلا تاریخی معرکہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے سروسامان اور پیاری جان نثار جماعت کی فرشتوں کے ذریعے مدد فرمائی تھی اور کافروں کی جڑ کاٹ دی تھی اور انھیں عظیم شکست ہوئی۔

جبلِ ملائکہ کی بھی زیارت ہوئی، جہاں اُس دن فرشتوں کا نزول ہوا تھا، وہ جبل آج بھی بالکل منفرد اور جدا دکھائی دیتے ہیں، باقی سب پہاڑ سیاہ ہیں، لیکن یہ پیلی ریت کے چمک دار پہاڑ نظر آتے ہیں، ریت ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ جتنی تیز ہوا یا آندھی ہو ان پہاڑوں کی ریت نہیں اُڑتی۔ میدان بدر میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جنگ کے دوران عریش (چھپر) بنایا گیا تھا وہاں اب بہت بڑی مسجد ''العریش'' کے نام سے تعمیر کی گئی ہے۔ الحمد للہ وہاں نمازِ ظہر پڑھنے کی سعادت ملی، بدر سے الحمد للہ ۳۰:۳ بجے واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

نماز مغرب کے لیے حضرت شیخ کی معیت میں جا رہا تھا کہ پہلی چھتریوں والے احاطے سے باہر ایک سندھی مولانا صاحب سے ملاقات ہوئی، بعد میں حضرت نے بتایا کہ یہ سندھ کے جتوئی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ مدینہ منورہ کے قریب اُس جگہ پر رہتے ہیں جو آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹوں کی اُس وقت چراگاہ تھی، وہاں کئی خیمے ہیں، لیکن سوائے اُن چشموں کے جہاں آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ پانی پیتے تھے باقی سب خشک ہو گئے ہیں، فرمایا: میں اِن کے ہاں گیا تھا۔ حضرت شیخ کی بدولت کیسی کیسی عظیم شخصیات کی زیارت نصیب ہوتی ہے، یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ مغرب کے بعد مکہ مکرمہ سے قاری رحیم داد صاحب بھی آ گئے، دوسری چھتریوں کے احاطہ میں عشاء تک قیام رہا، معلوم ہوا کہ نماز کے بعد حضرت شیخ کی کسی جگہ دعوت ہے اور قاری رحیم داد صاحب کو بھی ہمراہ لے جائیں گے۔ نماز کے بعد سب رہائش پر جانے کے لیے اُٹھے، ناچیز بھی جانے کے لیے اٹھا، سب کی طرح حضرت شیخ کو بتایا کہ میں رہائش گاہ پر جا رہا ہوں۔

حضرت نے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا، لیکن بڑے دلفریب انداز میں اپنی انگلی کا رخ پہلے اپنے سینے کی طرف پھر قاری رحیم داد صاحب کی طرف اور آخر میں میری طرف فرما کر ارشاد فرمایا: ''اُدھر جائیں گے۔'' (یعنی ہم تینوں جائیں گے۔) حضرت شیخ کا وہ انداز اَب بھی تصور میں آتا ہے تو عجیب سکون محسوس ہوتا ہے، اللہ اسی طرح آخرت میں بھی اپنے محبوب بندوں کے قدموں میں جگہ عطا فرما دے تو اُس کا بڑا فضل ہوگا۔

تصویر فتنہ ہے اور فتنہ حرام ہے:

یہ سندھی مولانا صاحب کافی دنوں سے اصرار کر رہے تھے، آخر حضرت شیخ نے اُن کی مدینے سے نسبت کا لحاظ فرماتے ہوئے شفقت فرمائی، بندہ کا خیال ہے کہ وہ صاحب دیگر مہمانوں کے ساتھ مشترکہ دعوت کرنا چاہتے تھے، لیکن حضرت شیخ رضامند نہیں ہوئے۔ یہ حضرت شیخ کی انفرادی دعوت تھی، اور مقامی علماء جن کا پاکستان سے تعلق تھا وہ بھی آئے ہوئے تھے۔ کھانے سے پہلے گفتگو کے دوران موجودہ سب سے بڑے فتنے ویڈیو/مووی فلم کی بات چل نکلی، حضرت شیخ نے فرمایا:

''لائیو (براہ راست) یا ریکارڈنگ کی بحث کو چھوڑو، مجھے آپ صرف یہ بتائیں کہ تصویر فتنہ ہے یا نہیں؟ سب نے کہا: فتنہ تو ہے۔ حضرت نے فرمایا: فتنہ تو حرام ہے، یہ نہ دیکھو کون ایسا کر رہا ہے، میں کروں یا کوئی بھی مفتی، علامہ یا بڑے سے بڑا لیڈر کرے، تو بڑے لوگوں کے کرنے سے حلال نہیں ہو جائے گا، حرام حرام ہی رہے گا، تاویلیں کرنے سے حکم نہیں بدل سکتا۔''

حضرت شیخ کا سوال اور طواف کی نیت، تکبیر اور استلام کا طریقہ:

پھر حضرت شیخ نے پوچھا: طواف کے لیے نیت، تکبیر، استلام وغیرہ کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (چھ سات پاکستانی علماء تھے جو عرصہ سے مکہ اور مدینہ میں مقیم تھے) لیکن حضرت کی منشا کے مطابق جواب نہ دے سکے۔ بالخصوص تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اُٹھانے اور استلام کے لیے اُٹھانے والے عمل میں تفریق نہ ہو سکی۔

حضرت شیخ نے پوچھا: نیت کب اور کیسے کرنی ہے؟ ایک صاحب نے کہا: جب آدمی آتا ہے تو طواف کی نیت ہوتی ہے، یعنی الگ سے نیت کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا: نماز کے لیے جب مسجد میں آتے ہیں تو نماز کی نیت ہوتی ہے، پھر دوبارہ کیوں نیت کرتے ہیں؟ لیکن واضح جواب نہ مل سکا۔ (وہ حضرات کافی عرصہ سے طواف کر رہے ہوں گے، عملی طور پر تو درست ہی کرتے ہوں گے، لیکن حضرت شیخ کے سوال کے جواب میں واضح فرق سمجھا نہیں سکے۔)

ناچیز تو اس میدان میں بالکل جاہل ہے۔ (درس نظامی کی کتب تو نہیں پڑھیں، لیکن بزرگوں کو ضرور پڑھاتے دیکھا ہے۔ نیز اُن کی معیت میں جو طریقہ دیکھا اور محمد معین الدین احمد صاحب کی کتاب

''مسائل حج وعمرہ'' میں پڑھا جو ماشاء اللہ عام فہم کتاب ہے، الحمد للہ طواف کے مواقع پر اسی کے مطابق عمل کی توفیق اللہ کے خصوصی فضل وکرم سے آج تک ملتی رہتی ہے)۔ ناچیز نے کچھ عرض کرنے کی اجازت لی، حضرت شیخ اور دیگر حضرات متوجہ ہوئے، میں نے عرض کیا کہ: میرے خیال میں اس سلسلہ میں الگ الگ عمل ہیں، سب سے پہلے حجر اسود سے تھوڑا پہلے اسے اپنی دائیں طرف رکھتے ہوئے طواف کے چکروں کی نیت کریں، پھر ایک دو قدم اسی طرح چل کر حجر اسود کے سامنے آئیں کہ آپ کا چہرہ اور سینہ حجرِ اَسود کی طرف ہو، اس طرح حجر اسود کا استقبال بھی ہوگیا، پھر تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں کی لو تک ہاتھ اُٹھا کر ''اللہ اکبر'' کہہ کر گرادیں، پھر استلام کے لیے حجر اسود کی طرف ہاتھ کر کے چوم لیں اور پھر طواف شروع کریں۔

میری بات ابھی جاری تھی کہ حضرت شیخ نے فرمایا: ''امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سینہ یا پشت بیت اللہ کی طرف ہو تو طواف نہیں ہوتا۔'' ناچیز نے عرض کیا: میں یہی تو عرض کرنے لگا تھا کہ: استلام کے بغیر اس جگہ کھڑے کھڑے اپنا رخ بدلے اور بایاں کندھا حجر اسود اور بیت اللہ کی طرف ہو جائے تو اسی حالت میں طواف مکمل کرے، صرف ہر چکر میں حجر اسود کا استلام کرتے وقت اپنا رخ حجر اسود کی طرف کرے۔

الحمد للہ حضرت شیخ نے بندہ کی معروضات کی تائید کی اور فرمایا: یہ ہے نیت استلام اور طواف کا درست طریقہ۔ میں نے عرض کیا کہ اگر رش میں دھکے لگنے سے آدمی کا رخ بدل جائے تو واپس آکر وہیں سے طواف شروع کر کے اتنے حصے کا اعادہ کرے۔ الحمد للہ علماء کی مجالس میں دین کی معلومات حاصل ہوتی ہیں، دعوت میں صرف کھانا پینا مقصود نہیں ہوتا۔ وہاں سے رات ۱۰:۳۰ ربجے واپس رہائش گاہ پہنچے۔

۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۱۳ر جنوری ۲۰۲۰ء بروز سوموار:

تہجد کے وقت حضرت سائیں دامت برکاتہم کی معیت میں پہلے دربار نبوی میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کیا، باقی وقت پہلی چھتریوں والے احاطے میں گذرا۔ فجر کی نماز کے بعد رہائش گاہ آئے تو حافظ مسعود صاحب ایک ساتھی کے ساتھ حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے آگئے، حضرت نے سب کی پُر تکلف ناشتہ سے تواضع فرمائی۔ گیارہ بجے حضرت شیخ کی معیت میں مسجد نبوی میں حاضری ہوئی اور ظہر کی نماز تک پہلی چھتریوں والے احاطے میں قیام رہا۔

چائے یہیں سے لینی ہے! حضرت کا ارشاد:

ظہر کے بعد باب فہد (باب مجیدی) دروازہ نمبر ۲۱ر سے باہر آئے حضرت کو چائے کی طلب ہوئی، جس کے لیے مرکزی اسٹاپ جسے گھڑیال چوک بھی کہتے ہیں، دائیں طرف اندر بازار میں ایک بوفیہ کے باہر

حضرت کو کرسی پر بٹھا کر بندہ چائے لینے گیا۔ عملہ کو دو تین مرتبہ اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مصروف تھے، ناچیز نے باہر آکر حضرت کو صورت حال بتائی اور عرض کیا آپ یہیں تشریف رکھیں، میں کسی دوسری جگہ سے چائے لے آتا ہوں، حضرت نے فرمایا: اس میں کاؤنٹر پر جو صاحب کھڑے ہیں، یہ صحابی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہیں، اس لیے چائے یہیں سے لے کر آئیں، ناچیز دوبارہ گیا اور اب اسی کاؤنٹر والے شخص کو پیسے دے کر ٹوکن لیا اور چائے حاصل کی، اس دوران حضرت بھی اندر تشریف لے آئے۔ حضرت نے ان صاحب سے مصافحہ کیا اور مصافحے کے بعد اپنا ہاتھ چوما، اِس پر اُن صاحب نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور جواب میں انھوں نے اپنا ہاتھ چوما۔ چائے پینے کے دوران حضرت نے بتایا کہ عرب اس طریقہ سے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ چائے پینے کے بعد ناچیز بھی مدینہ والوں کی خوشی کے پیش نظر بوفیہ میں گیا اور ان صاحب سے مصافحہ کر کے اپنا ہاتھ چوما تو اس نے بھی بہت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔

آج مدینہ شریف میں قیام کا آخری دن تھا عشاء کی نماز تک نمازوں کے علاوہ مدینہ منورہ میں محبوب کے علاقے کا تصور کر کے گلیوں میں گھومتے رہے۔

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۱۴/ جنوری ۲۰۲۰ء بروز منگل:

تہجد کے وقت حضرت کی معیت میں پہلے دربارِ رسالت میں الوداعی ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لیے حاضری ہوئی۔ آپ کے دونوں جانثاروں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے ان مقدس ہستیوں سے رخصت ہوئے اور پہلی چھتریوں کے احاطہ میں نماز فجر تک قیام رہا، نماز کے بعد سابقہ معمولات ہی رہے۔ حضرت دامت برکاتہم نے قاری رحیم داد صاحب کے ساتھ کار میں الگ سفر فرمانا تھا۔ حافظ مٹھا صاحب اور اُن کے بچوں کے لیے اُن کے بہنوئی نے گاڑی بھیج دی تھی۔ باقی احباب کا سفر بس سے ہونا تھا۔ صبح ۷:۳۰ بجے مکہ مکرمہ لے کر جانے والی بس رہائش گاہ پر آ گئی، سامان رکھوانے کے بعد ۸:۳۰ بجے مدینہ منورہ سے دکھی دل کے ساتھ جدائی کا وقت آ گیا، کافی دور تک وقفے وقفے سے گنبدِ خضریٰ کا روح پرور نظارہ ہوتا رہا، لیکن جب آخری دفعہ زیارت ہوئی تو بہتے آنسوؤں کے ساتھ سندھی کا یہ مصرعہ زبان پر بے اختیار جاری ہوگا ع

وچھڑ یوتہ آہین، پر وسر یو نہ آہین (جدا تو ہو گیا ہوں مگر بھولا نہیں)

بیر علی ذوالحلیفہ پر عمرہ کا احرام باندھنے اور نوافل ادا کرنے کی سعادت ملی۔ ہماری گاڑی شام ۴:۳۰ بجے مکہ مکرمہ سابقہ رہائش گاہ کے سامنے پہنچی، آدھے گھنٹے سے زائد وقت سامان کمروں میں منتقل کرنے میں صرف ہوا۔ عصر کی نماز رہائش گاہ پر پڑھی اور مغرب سے پہلے عمرہ کی ادائیگی کے لیے سب حرم شریف کو

روانہ ہوگئے، مغرب کی نماز کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے حرم شریف کے اندر اور مطاف کو جانے والے سب راستے بند کردیئے گئے تھے، مغرب کی نماز باہر صحنِ حرم میں ادا کی گئی اور مغرب کی نماز کے بعد الحمد للہ ۶:۳۵ پر طواف شروع کیا۔ الحمد للہ ۷:۲۵ رمنٹ پر طواف کے سات چکر مکمل ہوگئے۔ ۷:۳۵ پر سعی شروع کی، تقریباً آدھے گھنٹے میں سعی سے فارغ ہوکر رہائش گاہ پر آگیا، حلق کرایا اور احرام کھول دیا۔

مدینہ منورہ میں جو ساتھی حضرت شیخ کے کمرہ میں مقیم تھے، حافظ مٹھا صاحب نے یہاں بھی انھیں حضرت کے کمرے میں ٹھہرایا، لیکن حضرت شیخ اپنے اہل خانہ کے کمرے میں تشریف لے گئے تھے۔

۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ ۱۵ر جنوری ۲۰۲۰ء بروز بدھ:

حضرت شیخ سے چونکہ عمرہ کے بعد ملاقات نہ ہوسکی تھی، اس لیے تہجد کے وقت حرم شریف جانے کا پروگرام طے نہ ہوسکا تھا، لہٰذا ناچیز اکیلا ہی حرم شریف میں حاضر ہوگیا (بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت شیخ بندہ کو بلانے ہمارے میں کمرے میں تشریف لائے، لیکن بندہ حرم شریف جاچکا تھا۔) نماز فجر کے بعد بابِ فہد کے اندرونی حال میں مخصوص جگہ پر حضرت سے ملاقات ہوگئی اور ہم دونوں حرم شریف کے باہر مخصوص چائے پینے اسی جگہ پر گئے، اس دوران حاجی عبدالغفار صاحب اور عزیز اللہ صاحب بھی آگئے، سب نے چائے پی اور رہائش گاہ آگئے۔

ناچیز ۱۰:۴۵ر پر حرم شریف میں حاضر ہوگیا، الحمد للہ یکے بعد دیگرے تین طواف کرنے کی سعادت ملی، نماز ظہر بھی مطاف میں ہی پڑھنے کی توفیق ہوئی، پھر رہائش گاہ پر آگیا۔ نماز عصر عزیز اللہ صاحب کے ساتھ مطاف میں ادا کرنے کی سعادت ملی پھر عزیز اللہ صاحب کے ساتھ طواف کرنے کی بھی سعادت ملی۔ مغرب سے عشاء کی نمازوں تک وہیں بیت اللہ شریف کے سامنے قیام کی سعادت ملی۔

۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۱۶ر جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعرات:

تہجد کے وقت بندہ ناچیز اکیلا ہی حرم شریف میں حاضر ہوا، الحمد للہ اس وقت یکے بعد دیگرے دو طواف کرنے کی سعادت سے مشرف ہوا، فارغ ہوکر نماز فجر کے لیے بابِ فہد کے ہال میں مخصوص جگہ آگیا۔ نماز کے بعد دیکھا تو حضرت شیخ آس پاس کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے، اُسی وقت حضرت کا فون آگیا کہ باہر اُسی جگہ پر آجائیں جہاں روز بیٹھتے ہیں، ناچیز حاضر ہوا تو فرمایا: آج کچھ گرمی محسوس ہو رہی تھی اور رش کی وجہ سے اندر ہال میں گھٹن ہوجاتی ہے، اس لیے تہجد اور نماز فجر باہر صحن میں ہی ادا کی۔ حسبِ معمول چائے اور دیگر لوازمات سے تواضع فرمائی، حضرت شیخ نے قاری رحیم داد صاحب کے ساتھ جدہ جانا تھا، ناچیز ''کبری بسم اللہ'' تک ساتھ گیا، ہم پہنچے تو اسی وقت قاری صاحب بھی پہنچے، حضرت شیخ اُن کے ساتھ روانہ ہوگئے،

ناچیز نے رہائش گاہ آکر آرام کیا۔

۱۰:۳۰/بجے حرم شریف حاضر ہوا،نماز ظہر سے پہلے الحمد للہ چار طواف یکے بعد دیگرے کرنے کی سعادت ملی،نماز ظہر کے لیے رکن یمانی سے تھوڑا آگے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا،اسی دوران امام کعبہ صاحب کی زیارت بھی نصیب ہوئی کیونکہ جماعت سے پہلے اسی طرف سے آتے ہیں،میرے اور انکے درمیان صرف ایک سیکیورٹی والا شرطہ تھا،الحمد للہ بالکل قریب سے نہایت نورانی چہرہ کی زیارت ہوئی،واپسی پر بھی زیارت ہوئی،لیکن اس وقت لوگوں کا کچھ ہجوم ہو گیا تھا۔حضرت شیخ عصر کے وقت واپس تشریف لے آئے تھے، مغرب اور عشاء کی نماز کے دوران حسبِ معمول متعین جگہ پر قیام فرمایا،ناچیز کو مغرب کے بعد طواف کی سعادت ملی اور عشاء کی نماز حضرت شیخ کے ساتھ ہی صحن حرم میں ادا کی۔

۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ،۱۷/جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعہ:

آج بھی تہجد کے وقت اکیلے حرم شریف حاضری ہوئی،دو طواف کیے،نماز فجر میں امام کعبہ صاحب نے مسنون قرات فرمائی۔آج بھی حضرت شیخ نے تہجد اور نماز فجر باہر صحن حرم میں پڑھی۔نماز فجر کے بعد مخصوص جگہ پر حضرت کو موجود نہ پایا تو ناچیز بھی باہر آگیا اور حضرت کے ساتھ چائے پی کر رہائش گاہ پر آگئے، تھوڑی دیر آرام کے بعد جمعہ کی تیاری شروع کی،تقریباً ۱۰/بجے جمعہ کے لیے بابِ فہد کے ہال میں مخصوص جگہ کے قریب حضرت شیخ،حافظ مٹھا صاحب،عدنان صاحب اور ناچیز کو جگہ مل گئی،الحمد للہ باقی وقت قرآن مجید کی تلاوت میں گزرا،جمعہ کی نماز کے تھوڑی دیر بعد حافظ مٹھا صاحب بچوں سمیت جدہ اپنی ہمشیر کے پاس چلے گئے،باقی معمولات حسب سابق ہی رہے۔

۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ،۱۸/جنوری ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ:

تہجد کے وقت اکیلے حرم شریف میں حاضری ہوئی،الحمد للہ تین طواف کیے،فجر کے بعد مخصوص جگہ پر حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی،چائے سے فارغ ہو کر رہائش گاہ آگئے (سفر حرمین میں ناچیز کا معمول رہا کہ جب بھی حضرت شیخ کی معیت میں ان مقدس مقامات پر حاضری کے لیے جاتے تو حرم کے اندر موجود بغیر برف والے کولر سے آب زم زم کا گلاس بھر کر حضرت کو پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوتی،اب مکہ مکرمہ میں چونکہ رہائش تبدیل ہونے سے جہاں معیت میں آنا جانا متاثر ہوا،وہاں آب زم زم پیش کرنے کی سعادت سے بھی محروم ہو گیا)۔آج مکہ مکرمہ میں اس مقدس سفر کے قیام کا آخری دن تھا،صبح آٹھ بجے کے بعد حضرت شیخ کا اہل خانہ کے ساتھ طواف کرنے کا ارادہ تھا،الحمد للہ ناچیز کو بھی اس طواف میں حضرت کی رفاقت نصیب ہوئی،طواف کے بعد چائے والی مخصوص جگہ کے قریب اہل خانہ کو الگ بٹھا کر ہلکے پھلکے کھانے سے ضیافت

فرمائی۔ صاحبزادہ محمود الرحمٰن سلمہ کھانے کے لوازمات گھر والوں کو دے آئے اور خود حضرت شیخ اور ناچیز کے ساتھ کھایا، ان مقدس مقامات میں اس طرح زمین پر کھانے کا مزہ ہوتا ہے (یہ جگہیں صفائی کے حساب سے اتنی صاف ہوتی ہیں کہ ایسی صفائی شاید ہمارے گھروں میں بھی نہ ہو) دن کے باقی معمولات حسبِ سابق رہے، اپنے سامان کی پیکنگ بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی کہ وہ بھی سفر کا حصہ اور ضروری تھی۔

اس سفرِ عمرہ کے الوداعی طواف کے لیے رات ۱۲/ بجے کا وقت طے ہوا، حسب ترتیب حضرت شیخ کی معیت اور قیادت میں عزیز اللہ صاحب، عدنان صاحب اور ناچیز کو ۱۰:۱۲/ حرم شریف حاضر ہونے کی سعادت ملی۔ (دن میں حرم شریف میں بیٹھے حضرت نے فرمایا کہ: حرم کے باہر جو بڑی بلڈنگ ہے، اس کے مینجر سے بہت تعلق اور واسطہ ہے، اگر اس کو علم ہو جاتا تو وہ ضرور ملنے آتا، لیکن اُس کو اطلاع نہیں دی۔ یہاں ایک تو حضرت کا استغنا ظاہر ہوتا ہے، دوسرا اہل دنیا سے میل ملاپ میں احتیاط ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اُس شخص کے دلی تعلق کا بھی اندازہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سے اُس کی ملاقات کا ذریعہ یہ طواف بنا دیا۔ وہ بھی شائد ڈیوٹی ختم کر کے رات کو طواف کر رہا تھا، دورانِ طواف حضرت کو دیکھ لیا تو ساتھ میں طواف شروع کر دیا اور آنے کا پوچھا کہ کب آئے؟ حضرت نے فرمایا کہ: ہم تو کل واپس جا رہے ہیں۔ اُس نے شکوہ کیا کہ آپ نے اطلاع بھی نہیں دی، بہر حال اُس کی بھی ملاقات اور زیارت ہوگئی)

طواف کے بعد ملتزم سے پیچھے ہٹ کر کچھ فاصلہ پر نوافل پڑھنے کی سعادت ملی، پہلے بھی سُنا تھا حضرت شیخ بھی فرماتے ہیں کہ سفر حرمین شریفین کے الوداعی طواف کے بعد غلاف کعبہ پر انگلی سے سورۃ القصص کی آیت ۸۵/ کا یہ حصہ **"ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد"** لکھیں تو اللہ تعالیٰ دوبارہ بیت اللہ شریف کی حاضری نصیب فرماتے ہیں، اس عمل کے لیے حضرت شیخ بھی اور ہم بھی غلافِ کعبہ کی طرف چل پڑے حطیم اور رکن یمانی کے درمیانی حصہ میں الحمد للہ، اللہ کے خصوصی فضل سے جگہ مل گئی۔ سیکیورٹی عملہ کی مداخلت کا بھی خطرہ تھا، ناچیز نے غلطی کے احتمال سے بچنے کے لیے موبائل پر اس آیت کا یہ ٹکڑا لکھ لیا تھا، جسے بائیں ہاتھ سے اس طرح پکڑا کہ غلاف کعبہ بھی ساتھ ہی پکڑا ہوا تھا حالانکہ شرطہ بھی قریب ہی کھڑا تھا لیکن دائیں ہاتھ کی انگلی سے پڑھنے کے ساتھ ساتھ غلاف کعبہ پر تحریر کر دی، ناچیز سے آگے کی جانب کچھ فاصلہ پر حضرت شیخ کو بھی جگہ مل گئی۔ انہوں نے بھی آیت مبارکہ تحریر فرما دی اور باقی ساتھیوں کو فرمایا (جنھیں ابھی جگہ نہیں ملی تھی) میں نے سب کی طرف سے تحریر کر دی ہے۔

سعودی حکومت کی طرف سے ایرانیوں پر پابندی تھی کہ وہ عمرہ نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے حرمین شریفین میں الحمد للہ بہت سکون تھا۔ اُن کا اصل مقصد تو تخریب کاری ہوتا ہے۔ سعودی حکومت نے سیاسی

اختلاف کی وجہ سے ان تخریب کاروں کے، سعودیہ داخلے پر پابندی لگائی ہے، کاش کہ ان کے کفریہ عقائد کو بنیاد بنا کر اس دہشت گرد فرقے پر مکمل پابندی لگادی جائے۔ اِس اقدام پر ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعودی حکومت کی ایسی غیبی امداد ہوگی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

علمی اور روحانی فیض کا سرچشمہ دراصل محبت اور ادب ہے، جس سے یہ غالی فرقہ محروم ہے، اب یہ اگر بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ جاتے بھی ہیں تو وقت اور مال کے ضیاع کے بغیر انھیں کچھ حاصل نہیں ہوتا، کسی شاعر نے حقیقت پر مبنی شعر سے اس کی درست اور خوب منظر کشی کی ہے ؎

پہن تو لیا جامۂ احرام مگر، دل میں بغض صدیقؓ

تیرے نصیب کے چکر ہیں یہ طواف نہیں

پھر بہتے آنسوؤں کے ساتھ بیت اللہ شریف کو الوداع کہہ کر واپس ہوئے، جب واپسی میں آخری مرتبہ مڑ کر بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو بے ساختہ سندھی کا وہی مصرعہ زبان پر آگیا: وچھڑ یو تہ آہین، پر وسر یو نہ آہین

واپسی پر حضرت شیخؒ نے کراچی ائر پورٹ پر آنے والے احباب کی تواضع کے لیے کھجوریں اور ترکی کا تازہ انجیر خریدا، اس طرح صبح دو بجے رہائش گاہ پر پہنچ گئے، ۲:۳۰ بجے گاڑی جدہ لے جانے کے لیے رہائش گاہ کے سامنے آگئی، ساتھیوں نے سامان اتار کر پہلے ہی بلڈنگ کے استقبالیہ ہال میں رکھا ہوا تھا، سامان گاڑی میں رکھوایا۔ ۳:۱۵/ پر بوقت سحری حضرت شیخؒ کی معیت میں سب گاڑی میں سوار ہوئے، ۳:۳۰/ گاڑی وہاں سے روانہ ہوئی، کچھ فاصلے پر موجود ایک اور عمارت کے سامنے رک گئی، وہاں سے بھی عمرہ زائرین کو سوار کیا، اور ۴:۰۵/ گاڑی جدہ کے لیے روانہ ہوگئی۔ اور خلاف معمول ۵:۲۵/ جدہ حج ٹرمینل پہنچ گئی۔ (جدہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ بہت کم ہے، لیکن ڈرائیور حضرات آتے جاتے ہوئے خاصا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اس لیے عموماً بہت تاخیر ہوجاتی ہے۔) حج ٹرمینل پر گاڑی سے سامان اور پاسپورٹ وصول کیے، سامان ٹرالیوں پر رکھا اور چل پڑے۔ ٹرمینل کی مسجد میں ٹھہرے، فجر کا وقت ہوا تو حضرت شیخؒ کی امامت میں نماز پڑھی، پھر دن ۱۱/ بجے تک مسجد میں ہی قیام رہا، کچھ دیر آرام بھی کیا، کھانا بھی وہیں کھایا، ۱۱/ بجے لاؤنج کے آخری انتظار گاہ ہال میں آگئے۔

لاہور والے احباب کی پرواز ہم سے ایک گھنٹہ قبل تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ مؤخر ہوگئی، ائیر پورٹ انتظامیہ انہیں ہوٹل پر ٹھہرانے کے لیے لے گئی اور اُن کی پرواز دوسرے دن یعنی ۲۰/ جنوری کو صبح ۷/ بجے بتائی گئی۔

انتظارگاہ میں ابھی تک مسجد کا انتظام نہیں تھا،اس لیے ایک بجے ناچیز اور حضرت نے باجماعت نماز پڑھی، چونکہ جگہ کم تھی اِس لیے باقی احباب نے بھی الگ الگ جماعت کرائی یا انفرادی طور پر نماز پڑھ لی۔ ۲:۱۰/ پر جہاز تک لے جانے کے لیے بس آئی تو جہاز میں سوار ہونے کے لیے چل پڑے،الحمدللہ ۳:۰۰/ بجے سہ پہر سعودیہ وقت کے مطابق سعودی ائیر لائن کی پرواز نمبر ایس۔وی نمبر ۷۰۴/ جدہ سے روانہ ہوئی ۳/ گھنٹے ۱۰/ منٹ بعد کراچی پہنچی، پاکستانی وقت کے مطابق رات کے ۸:۱۰/ ہوئے تھے۔

سامان وصول کرکے ائیر پورٹ سے باہر آئے، بہت بڑی تعداد میں احباب حضرت شیخ کے استقبال کے لیے موجود تھے،ساتھیوں نے گل پاشی بھی بہت زیادہ کی۔سب نے ہار اور اجرک پہنائی (جو کہ سندھ کی روایت ہے) رات ۱۰/ بجے کے بعد ائیر پورٹ سے جنہان شریف کے لیے روانہ ہوئے، دوران سفر گھارو میں حضرت نے ہم سفر احباب کی ضیافت فرمائی، وہاں سے فراغت کے بعد الحمدللہ دو بجے رات قافلہ جامعہ مظہریہ حسینیہ جنہان سومرو پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ اس مقدس سفر کو اپنے خاص فضل وکرم سے قبول فرمائیں، ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائیں اور دوبارہ اپنے مقدس گھر اور اپنے محبوب اعظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر حاضری کے لیے اپنی قدرت سے غیبی انتظام فرما دیں۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخلفائے راشدین المہدیین رضی اللہ عنہم

کشف وکرامات سے متعلق اہم وضاحت:

بندہ ناچیز نے اِس سفر نامہ میں حضرت شیخ دامت برکاتہم کے بعض مکاشفات تحریر کیے ہیں، اِس حوالہ سے یہ ملحوظ رہے کہ: کشف وکرامات ولایت کا مدار اور شرط نہیں۔لیکن صحیح العقیدہ متبع سنت بزرگوں کے کشف اگر اُصول دین کے مطابق ہوں تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔چنانچہ شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''کشف وکرامات ولایت کی شرط نہیں اور نہ مخصوص کمال ہے، لیکن متبع سنت بزرگوں کو کشف و کرامت سے اگر کوئی حصہ ملے تو یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے۔''

[حضرت لاہوریؒ کے حیرت انگیز واقعات:۵۵،۵۶ ناشر اشعر بک ایجنسی بنوری ٹاؤن کراچی]

خاکروبِ آستانہ مظہری، خادم نثار معاویہ سندھی، جامعہ مظہریہ حسینیہ، جنہان سومرو



مولانا ابوسفیر خیرالامین،مردان

صفاتِ باری تعالیٰ......اور غیر مقلدین سے چند سوالات

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک صفات باری تعالیٰ کی کئی تقسیمات ہیں:

۱)-پہلی تقسیم: صفات کی دو قسمیں ہیں: محکمات اور متشابہات:

محکمات محکم کی جمع ہے، جس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس کا معنی واضح ہو اور اس کی مراد ہر صاحبِ علم کی سمجھ میں آسکے۔ اس کے مقابلے میں متشابہات ہے۔ متشابہات متشابہ کی جمع ہے۔ متشابہ کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس کا معنی واضح نہ ہو اور ہر کسی کے سمجھ میں نہ آتا ہو۔

۲)-دوسری تقسیم: صفات ذاتیہ اور فعلیہ:

صفات ذاتیہ کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ صفات ہیں کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور ان صفات کی اَضداد کی اللہ تعالیٰ سے نفی ہے۔ مثلا: اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علم ثابت ہے، اور علم کی ضد جہالت ہے، جس کی اللہ تعالیٰ سے نفی ہے۔ اور صفات فعلیہ وہ ہیں کہ یہ صفات خود بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوں اور ان کے اضداد بھی۔ لیکن ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً: اِحیاء: یعنی دوسرے کو زندہ کرنا۔ یہ بھی اللہ کی صفت ہے اور اس کی ضد اماتت: یعنی دوسرے کو موت دینا، یہ بھی اللہ کی صفت ہے۔

ملاحظہ۱: اشاعرہ کے نزدیک صفات ذاتیہ سات ہیں اور ماتریدیہ کے نزدیک آٹھ۔ سات تو یہ ہیں: علم، حیوۃ، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ اور ماتریدیہ آٹھویں صفت تکوین کو بھی ذاتی قرار دیتے ہیں۔

ملاحظہ۲: عقائد اور علم کلام کی تشریحات وتوضیحات کے دو بڑے ائمہ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رحمہما اللہ ہیں۔ اول الذکر کے متبعین کو ''اشاعرہ'' اور مؤخرالذکر کی اتباع کرنے والوں کو ''ماتریدیہ'' کہا جاتا ہے۔

ملاحظہ۳: دونوں حضرات کے درمیان چند مسائل کی تشریحات وتوضیحات میں اختلاف ہے۔ جس کا نتیجہ بیشتر مقامات پر لفظی اختلاف کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔

ملاحظہ۴: حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' میں لکھا ہے کہ: اکابر اہل سنت دیوبند اشعریت پسند ماتریدی ہیں۔

ملاحظہ۵: اَشاعرہ لفظ الگ ہے اور اشعریہ الگ۔ اشاعرہ امام ابوالحسن اشعریؒ کے متبعین کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ اشعریہ دونوں کو یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ کو کہتے ہیں۔ یہ متکلمین کی اصطلاح ہے، جس کی وضاحت خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے ''خیر الفتاوی جلد اول'' میں فرمائی ہے۔

۳)۔ تیسری تقسیم: صفات متشابہات کی دو اقسام ہیں:

۱۔ معلوم المعنی غیر معلوم المراد ۲۔ غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد۔

[۱] معلوم المعنی: یعنی لغوی معنی تو معلوم ہیں، لیکن غیر معلوم المراد: یعنی شرعی مراد اور خارجی مصداق یقین سے معلوم نہیں۔ جیسا کہ: ید، عین، وجہ، جنب، نزول اور استوی وغیرہ۔ جب ان کی نسبت باری تعالی کی طرف ہو تو ان کے لغوی معانی تو معلوم ہیں لیکن ان کی مراد اور مصداق خارجی کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں ہے۔

[۲] غیر معلوم المعنی اور غیر معلوم المراد: جیسا کہ حروفِ مقطعات جو بعض قرآنی سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں، جن کا نہ لغوی معنی معلوم ہے اور نہ مطلب، مراد اور مصداق۔

فائدہ۱: پہلی قسم کی صفات کے متعلق اہل سنت کے دو مذہب ہیں: [۱] تفویض۔ [۲] تاویل۔

تفویض: یعنی اِن صفات کا کوئی بھی معنی مراد لیے بغیر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے کہ اللہ پاک کی اِن سے جو بھی مراد ہے، وہ برحق ہے، اُس پر ہمارا ایمان ہے۔ اور تاویل: یعنی ایسی صفات میں تاویل کر کے کوئی مرادی معنی اختیار کر لیا جائے۔ (تفویض و تاویل پر تفصیلی گفتگو دوسرے مضمون میں ہوگی۔ ان شاءاللہ)

فائدہ۲: پہلی قسم کی صفات کا لفظی ترجمہ کرنا جائز ہے، (ترجمے کا مطلب ہے: **نقل الألفاظ من لغة إلى لغة أخرى.**) لیکن اِن صفات کی مراد (یعنی مصداق خارجی) ہمیں معلوم نہیں۔ (متکلمین اِسے یوں تعبیر کرتے ہیں: ترجمہ جائز ہے، معنی معلوم نہیں۔) جیسے ''یداللہ'' کا ترجمہ: اللہ کا ہاتھ اور ''وجہ اللہ'' کا ترجمہ اللہ کا چہرہ کیا جائے تو یہ جائز تو ہے، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ عوام کے سامنے تاویلی معنی کیا جائے، یعنی ''یداللہ'' کا معنی: اللہ کی قدرت، اللہ کی نصرت وغیرہ اور ''وجہ اللہ'' کا معنی: اللہ کی رضا اور خوشنودی کیا جائے۔ تاکہ عوام کے اذہان میں یہ خیال نہ آئے کہ شاید اللہ تعالیٰ بھی جسم رکھتے ہیں۔

صفاتِ باری تعالیٰ میں صفت ''استویٰ علی العرش'' کا مسئلہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ غیر مقلدین اِس حوالے سے اہل السنۃ والجماعۃ سے الگ رائے اور نظریہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو صرف عرش پر مستوی قرار دیتے ہیں۔ اِس حوالے سے یہاں اُن سے چند سوالات کیے جا رہے ہیں۔

''**الرحمن علی العرش استوی**''اِس مفہوم کی قرآن پاک میں تقریباً سات آیات ہیں۔ جن کا معنی غیر مقلدین یہ کرتے ہیں کہ:اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر ہے۔

[۱]-لہٰذا اُن سے پہلا سوال یہ ہے کہ یہ آیات'متشابہات میں سے ہیں اور قرآنی نص کے مطابق متشابہات میں کوئی متعین عقیدہ رکھنا گمراہ لوگوں کا کام ہے۔آپ نے یہ گمراہی کیوں اختیار کی؟

[۲]-اس آیت میں ذات کا لفظ کہاں ہے؟ جبکہ آپ''ذات''کو عرش پر مانتے ہیں؟

[۳]-آیت میں ہے کہ:''رحمٰن نے عرش پر استوی کیا۔''اور رحمٰن باری تعالی کی صفت ہے نہ کہ ذات۔اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ باری تعالیٰ کی رحمت عرش کو محیط ہے۔اگر آپ رحمٰن سے ذات پر استدلال کرتے ہیں تو یہ صفت سے ذات پر استدلال کر کے لفظ کو ظاہر سے ہٹانا ہے، جو تاویل ہے اور آپ کے نزدیک تاویل بدعت ہے۔کیا یہاں تاویل اختیار کرنا''بدعت''نہیں!؟

[۴]-آپ کے نزدیک''استواء''کا معنی جلوس ہے یا استقرار؟ جلوس ہو یا استقرار! یہ دونوں جسم کی صفات ہیں۔کیا آپ لوگ اللہ تعالی کے لیے جسم کے قائل ہیں؟

[۵]-''استواء''صفت ذات ہے یا صفت فعل؟ قرآن وحدیث سے متعین کریں۔کسی عالم یا بزرگ کا قول پیش نہ کریں کیونکہ یہ تقلید ہے جو آپ کے ہاں شرک ہے۔

[۶]-استوی کا معنی اگر عرش پر استقرار اور جلوس ہے تو جب عرش نہیں تھا تب اللہ کہاں تھا؟

[۷]-عرش محدود ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود۔کیا غیر محدود،محدود میں آسکتا ہے؟

[۸]-عرش اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یا چھوٹا یا بڑا؟ اگر برابر کہیں تو عرش مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ خالق،آپ نے مخلوق کو خالق کے برابر مانا جو شرک ہے۔اور اگر عرش کو بڑا کہیں تو خالق کو مخلوق سے چھوٹا مانا جو کفر ہے۔اور اگر عرش کو چھوٹا کہیں تو اللہ تعالیٰ کو دو حصوں میں تقسیم کیا،ایک حصہ عرش پر اور دوسرا عرش سے باہر۔جبکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق عقائد کی کتب میں مذکور ہے:**لایتبعض**.

[۹]-اگر آپ کہہ دیں کہ ہم ان تفصیلات میں نہیں جاتے۔تو سوال یہ ہے کہ استوی تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے نہ کہ ذات۔اور **تفکروا فی آلاء الله**.وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور وفکر کرو!

[۱۰]-عرش کے اوپر تو ایک کتاب بھی ہے،جیسا کہ حدیث بخاری میں ہے۔تو وہ کتاب اللہ تعالیٰ سے کس جہت پر ہے؟ [**تلک عشرۃ کاملہ**]

☆......☆......☆......☆

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۵

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (م۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

آدمی سمجھ نہیں سکتا تو بخاری کی احادیث سے مذاق کرنے لگتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اُس کے اس برے کام سے دین کی بنیاد گرنے لگتی ہے کیوں کہ جب ہم صحیحین (بخاری مسلم) کی احادیث پر اعتماد نہیں کریں گے دین پر کہاں چل سکیں گے؟ کج روی (گمراہی) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ **ومن لم یفهمه جعل یهزأ بأحادیث البخاری ....ولم یدران من سوء فعله هٰذاینهدم اساس الدین فانّااذالم نثق باحادیث الصحیحین فانّٰی نقتفی الدّین ؟والعیاذبالله من الزیع.**

[فیض الباری ،باب غزوة الفتح فی رمضان]

مؤطاامام مالک کی احادیث بھی صحیح ہیں:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما اعلم فی الارض کتاباً فی العلم اکثرصوابأمن کتاب مالک .....قال ذالک قبل وجودالکتابین. [تغلیق التعلیق:۴۲۴/۵ ،مقدمة ابن الصلاح :۱۸] زمین میں مجھے کوئی ایسی کتاب معلوم نہیں جو علم میں موطا امام مالک سے زیادہ درست ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بخاری مسلم کے وجود میں آنے سے پہلے یہ فرمایا تھا۔

علامہ محمد جمال الدین بن محمد سعید قاسمی (م۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں:

فالطبقة الاولٰی محصرة بالاستقراء فی ثلاثة کتب ،المؤطاوصحیح البخاری وصحیح مسلم ،قال الشافعی اصح الکتب بعدکتاب الله مؤطامالک ،واتفق اهل الحدیث علی انّ جمیع مافیه صحیح علی رأی مالک ومن وافقهٗ واماعلی رأی غیره فلیس فیه مرسل ولا منقطع الاقداتصل السندبهٖ من طرق اخری فلاجرم انهاصحیحة من هٰذاالوجه. [قواعدالتحدیث من فنون الحدیث:۲۴۱]

کتبِ حدیث کا پہلا طبقہ تتبع و تلاش کے سبب تین کتابوں میں بند ہے، مؤطا امام مالک اور بخاری و مسلم، امام شافعی فرماتے ہیں کتابُ اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مؤطا امام مالک ہے، اور محدثین

اِس پر متفق ہیں کہ جو احادیث مؤطا میں ہیں وہ امام مالک اور اُن کے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں، اور دوسرے محدثین کی رائے میں مؤطا میں جو مرسل اور منقطع ہیں وہ بھی دوسری سندوں سے متصل ہیں، تو یقیناً اِس اعتبار سے مؤطا امام مالک کی وہ مرسل و منقطع احادیث بھی صحیح ہیں۔

لہٰذا احادیث کی سند سے متعلق غامدی صاحب کے اصول درست نہیں ہیں۔

احادیث کے متن سے متعلق غامدی صاحب کے اصول:

لکھتے ہیں: ''دو باتیں اُس کے متن میں بھی لازماً دیکھنی چاہئیں، ایک یہ کہ اُس میں کوئی چیز قرآن وسنّت کے خلاف نہ ہو، دوسری یہ کہ علم و عقل کے مسلّمات کے خلاف نہ ہو۔'' [میزان: ۶۲]

اس بارے میں بھی کئی چیزیں قابلِ غور ہیں:

اول: یہ کہ لازمی بات ہے کہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ ہرگز ہرگز قرآن وسنّت اور عقل کے خلاف نہیں ہوسکتا، آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس نبی کے ذمہ وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہونے والے احکام امت کو دینا ہے وہ خود وحی کے خلاف کچھ فرمادے؟ لہٰذا یہ ہو نہیں سکتا کہ نبی کی حدیث قرآن وسنّت کے خلاف ہوگی۔

دوم: اگر بالفرض بظاہر کوئی حدیث قرآن وسنّت کے خلاف معلوم ہو تو وہ چوں کہ صرف ظاہر نظر میں ہی قرآن وسنّت کے خلاف ہوگی لہٰذا ایک دم اُس کو رد کرنا سخت بے احتیاطی ہے، اُس کے لئے لازمی ہے کہ حدیث اور قرآن وسنّت کے درمیان تطبیق و توفیق کی کوشش کی جائے، جس کے لئے مجتہدانہ صلاحیت رکھنے والی عقل لازمی ہے اور وہ بھی اِس اکیلے سوچنے والے کی عقل کافی نہیں ہے، جو اہل علم و عقل اِس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، اُن کی تصریحات و تصنیفات میں غور کرنا چاہیئے تو اگر تطبیق و توفیق کی صورت نکل آئے تو اُسی سے کام لے کر حدیث کو قرآن وسنّت کا مخالف نہ مانا جائے اور رد نہ کر دیا جائے، بلکہ آخری حد تک کوشش کر کے قرآن وسنّت و حدیث موافق بنائے جائیں۔

سوم: اکثر طور پر حدیث کے انکار کے لئے یہ آڑ بنائی جاتی ہے کہ یہ قرآن وسنّت کے مخالف ہے لہٰذا صحیح نہیں ہے، لیکن حقیقت میں وہ حدیث قرآن کے مخالف نہیں ہوتی کسی جنابِ عالی کے اپنے فہمِ قرآن کے خلاف ہوتی ہے جس کو وہ قرآن کے خلاف ہونے سے تعبیر کر دیتے ہیں، مثلاً غامدی صاحب امام مہدی کے ظہور اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان پر حیات اور پھر قبل از قیامت نزول کا جو انکار کرتے ہیں، تو کیا بتا سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی کونسی آیت کہتی ہے کہ امام مہدی کا ظہور نہیں ہوگا؟ کیا بتا سکتے ہیں کہ کس صریح الدلالہ آیت میں ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں؟ "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" مستقبل کی

خبر ہے، بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ ، وَرَافِعُکَ "موت کے معنی میں صریح نہیں ہے۔

چہارم: اُس علم وعقل کا کوئی معیار بھی ہے یا نہیں کہ حدیث کس عقل کے خلاف ہو تو اُسے عقل کے خلاف سمجھ کر رد کر دیا جائے؟ کیا نبی کریم ﷺ سے بڑا عقل مند کوئی ہوگا؟ کیا صحابہ وتابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ کی عقل سے بڑھ کر بعد والوں کی عقل مان لی جائے گی؟ کیا اسلاف کے فیصلوں کے بعد بھی ہر زمانہ کا شخص اپنی عقل کو معیار بنا کر حدیث کو رد کرنے کا اہل ہوگا؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد معلوم نہیں ہے

لو كان الدين بالرأى لكان باطن القدمين احق من المسح من ظاهرهما.

[ابن ابی شیبة ح۱۸۹۵، ابو داؤد ۱۶۴]

اگر دین عقل کے تابع ہوتا تو موزوں کے مسح میں پاؤں کے نیچے کا حصہ اوپر کے حصہ سے مسح کا زیادہ حقدار تھا۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ صرف خطیب بغدادی اکیلے کہنے والے ہیں کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو قبول نہیں کی جائے گی، یہ بات درست نہیں لگتی، معتزلہ کا نظریہ تھا کہ کسی بات کے حسن وقبح کا فیصلہ کرنے والی چیز عقل ہے، اگر شریعت کوئی بات کہے لیکن عقل اُس کے خلاف کہے تو عقل کا فیصلہ مان لیں گے، شریعت کی بات نہیں لیں گے۔

قالت المعتزلة الحسن ما استحسنهٔ العقل والقبيح ما استقبحه العقل ،وقال عامة العلماء الحسن ما يستحسنه الشرع والقبيح ما يستقبحه الشرع.

[التمهيد لابی الشكور السالمی:۱۷، الانتصار فی الرد علی المعتزلة القدرية الاشرار:۱/۳۷]

معتزلہ کہتے ہیں حسن (اچھا کام) وہ ہے جس کو عقل حسن بتائے، اور قبیح (برا کام) وہ ہے جس کو عقل بُرا بتائے، جب کہ جمہور علماء فرماتے ہیں حسن وہ ہے جس کو شریعت حسن قرار دے اور قبیح وہ ہے جس کو شریعت قبیح بتائے۔

ان الاخلاق منها ما هو حسن ومنها ما هو قبيح والميزان فی ذالک هو الشرع فالحسن ما حسنه الشرع والقبيح ما قبحه الشرع اما العقل فهو تابع للشرع فی ذالک وهٰذا هو رأی اهل السنة والجماعة وهو الحق الذی لا يقبل غيرهٗ.

[تبسيط العقائد الاسلامية:۱/۲۸۷]

کئی اخلاق وعادات وہ ہیں جو حسن ہیں اور کئی قبیح ہیں، اس بارے میں میزان شریعت ہے، تو حسن وہی ہے جس کو شریعت حسن قرار دے، اور قبیح وہ ہے جس کو شریعت قبیح قرار دے، عقل تو اس بارے میں شریعت کی تابع ہے، یہی اہل سنت والجماعت کی سوچ ہے، یہی وہ حق ہے جس کا غیر قبول نہ کیا جائے۔

اگر خطیب بغدادی کی بات درست ہو تو مراد اسلاف کی مجتہدانہ عقل ہے ہر کسی کی عقل مراد نہیں ہے، اب کسی صاحب عقل کو عقل سے پرکھنے کی گنجائش نہیں ہے، اب ہر صاحبِ عقل کے لئے اسلاف کے فیصلے سامنے رکھنا ضروری ہے، اور اِسے نکلنا الحاد ہے۔

غامدی صاحب کہتے ہیں:

''ائمہ محدثین کا نقطہ نظر بھی اِس معاملہ میں یہی ہے، الکفایۃ فی علم الروایۃ اس فن کی ام الکتاب ہے، اُس کے مصنف خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

ولا یقبل خبر الواحد فی منافاۃ حکم العقل وحکم القرآن الثابت المحکم، والسنۃ المعلومۃ، والفعل الجاری مجری السنّۃ وکل دلیل مقطوع بہ.

خبر واحد اُس صورت میں قبول نہیں کی جاتی جب عقل اپنا فیصلہ اُس کے خلاف سنا دے، وہ قرآن کے کسی ثابت اور محکم حکم کے خلاف ہو، سنّت معلومہ یا ایسے کسی عمل کے خلاف ہو جو سنّت کی طرح معمول بہ ہو، کسی دلیل قطعی سے اُس کی منافات بالکل واضح ہو جائے'' [میزان: ۶۳]

یہ اصول محض بناء بر احتمال ہے کہ اگر بالفرض ایسا ہو، ورنہ ہرگز کوئی خبر واحد صحیح ایسی نہیں ہوتی، نہ ہو سکتی ہے، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اور ایسے کئی لوگوں نے بہت دفعہ اس سلسلہ میں عقل دوڑا کر بخاری و مسلم تک کی احادیث کو خلاف عقل یا قرآن وسنّت کے خلاف بتا کر تسلیم نہیں کیا، تو بعد کے کئی حضرات نے اُن کی عقلی تقاریر پر محققانہ تبصرے کئے، اور صاف واضح کیا کہ اِن حضرات کی عقلی رایوں میں کوئی وزن نہیں ہے، اس بارے میں اہل علم حضرات محقق عظیم حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی اعلاء السنن کو بنظر غائر مطالعہ میں لائیں تو امید ہے کہ ابن حزم وغیرہ کی رایوں کی حقیقت سمجھ آ جائے گی، ابھی نزدیک عرصہ میں مولوی احمد سعید ملتانی نے ''قرآن مقدّس اور بخاری محدث'' کے نام سے جو رسالہ لکھا اہل علم نے اُس کی خوب خبر لی، اگر غامدی صاحب کو بخاری ومسلم کی احادیث ایسی ہی نظر آتی ہیں تو ذرا میدان میں قدم رکھیں۔

امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد امر اللہ جل وعلا بطاعتہ واتباعہ امراً مطلقاً مجملاً لم یقیّد بشیء کما امرنا باتباع کتاب اللہ، ولم یقل ما وافق کتابَ اللہ کما قال بعض اہل الزیغ، وقال عبد الرحمن بن مہدی الزنادقۃ والخوارج وضعوا ذالک الحدیث یعنی ماروی عنہ ﷺ انہ قال ما اتاکم عنہ فاعرضوہ علی کتاب اللہ فان وافق کتاب اللہ فانا قلتُہٗ وان خالف کتاب اللہ فلم اقلہٗ وانّما انا موافق کتاب اللہ وبہٖ ھَدانی اللہ، وھٰذہ الالفاظ لاتصح عنہ ﷺ عند اہل العلم بصحیح النقل من سقیمہ، وقد عارض ھٰذا الحدیث قوم من اہل

العلم وقالوانحن نعرض هٰذاالحديث على كتاب الله قبل كل شىء ونعتمدعلى ذالك ،قالوافلماعرضناه على كتاب الله وجدناه مخالفاًلكتاب الله لانالانجدفى كتاب الله الانقبل من حديث رسول الله ﷺ الاماوافق كتاب الله ،بل وجدناكتاب الله يطلق التأسى والامربطاعته ويحذرالمخالفة عن امرهٖ جملة على كل حال.[جامع بيان العلم: ۴۳۲]

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمیں کتابُ اللہ کی اتباع کا حکم دیا ہے ایسے ہی نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا مطلق حکم دیا ہے اور کوئی قید نہیں لگائی ، یہ نہیں فرمایا کہ جو فرمانِ نبوی کتابُ اللہ کے موافق ہو (اُس کی اتباع کرو) جیسا کہ بعض کج رو کہتے ہیں ،حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زندیق اور خارجی لوگوں نے اِس مقصد کے لئے حدیث گھڑلی یعنی جو مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو تمہارے پاس میرے حوالے سے پہنچے اُس کو کتابُ اللہ پر پیش کرو،تو اگر کتابُ اللہ کے موافق ہو تو میں نے ہی کہا ہوگا،اور اگر کتابُ اللہ کے مخالف ہو تو میں نے نہیں کہا ہوگا، میں تو کتابُ اللہ کی موافقت کرتا ہوں اور اُسی کے ذریعے مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے،اہل علم کے نزدیک جو صحیح کو ضعیف سے ممتاز کر سکتے ہیں یہ الفاظ آپ ﷺ سے صحیح ثابت نہیں ،بعض اہل علم نے اِس روایت کو کتابُ اللہ پر پیش کیا اور کہا کہ ہم ہر چیز سے پہلے اِسی کو کتابُ اللہ پر پیش کرتے ہیں ،اور (تھوڑے وقت کے لئے) اِسی پر اعتماد کر لیتے ہیں ،فرمایا کہ جب ہم نے اِس کو کتابُ اللہ پر پیش کیا تو ہم نے اِس روایت کو کتابُ اللہ کے مخالف پایا کیوں کہ ہم نے کتابُ اللہ میں یہ بات نہیں پائی کہ حدیث رسول ﷺ وہی قبول کریں جو کتابُ اللہ کے موافق ہو، بلکہ ہم نے یہ پایا کہ کتابُ اللہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اپنانے اور حکم کی تعمیل کرنے کا مطلق حکم کرتی ہے،اور آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے ہر حالت میں بالکلیہ ڈراتی ہے۔

یعلی بن حکیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں ایسا، ایسا فرمایا ہے؟ (یعنی یہ حدیث تو قرآن مجید کی فلاں فلاں آیت کے خلاف ہے) تو حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا:

لااراك تعارض حديث رسول الله ﷺ بكتاب الله ،رسولُ الله ﷺ اعلم بكتابِ الله عزوجل سبحانهٗ وتعالى. [الشريعة للآجرى :۴۸] ’’(پھر) تجھے ایسا نہ دیکھوں کہ تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو قرآن مجید کے مخالف بتائے ،رسولُ اللہ ﷺ کتابُ اللہ کو زیادہ جانتے تھے۔‘‘

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کتاب ’’جامع العلم‘‘ میں فرماتے ہیں:

انّ الله عزوجل وضع نبيه ﷺ من كتابه ودينه بالموضع الذى ابان فى كتابه فالفرض على خلقهٖ ان يكونواعالمين بانهٗ لايقول فيماانزل الله عليه الابماانزل عليه وانّه

لا یخالف کتاب اللہ وانہ بین عن اللہ عزوجل معنی ما اراد اللہ ثم قال ولاتکون سنۃ ابداً تخالف القرآن: [الرد علی من ینکر حجیۃ السنّۃ:۴۹۳]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کتاب اور دین میں وہ مقام دیا ہے جس کو اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے، لہٰذا اُس کی مخلوق پر فرض ہے کہ یقین کریں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر نازل فرمایا اُس کے متعلق آپ ﷺ نازل کی ہوئی وضاحت کے ذریعے وضاحت فرماتے ہیں، اور آپ ﷺ کتابُ اللہ کے خلاف نہیں کرتے، اور جو معنیٰ اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں، اور سنت (حدیث) کبھی بھی قرآن مجید کے مخالف نہیں ہوگی۔

لہٰذا یہ اصول پوری طرح درست نہیں ہے، اگر کسی درجہ میں درست مان لیا جائے تو وہ اہل اجتہاد کا کام ہے، ہر ایرے غیرے کا کام نہیں ہے، اور یہ سب کام اسلاف کر کے فارغ ہو چکے ہیں، اب بس اسلاف کی تصریحات کے پیچھے چلنے میں ہی سلامتی ہے، کسی بھی حدیث کی تحقیق کی ضرورت ہو تو دیکھو اسلاف نے اُس کے متعلق کیا رائے دی ہے؟ اور اگر بظاہر کوئی حدیث قرآن مجید کے خلاف معلوم ہوتی ہے تو بھی دیکھو اُن حضرات نے کیا فرمایا ہے؟ یہ بھی کوئی تحقیق ہے کہ اسلاف کے اجماعی مسائل ونظریات پر ریسرچ کرتے ہوئے اُنہیں مشکوک بنایا جائے؟ پھر تو دین کے احکام میں کوئی ایک بھی قطعی نہیں رہے گا، حتی کہ قرآن مجید بھی مشکوک ہو جائے گا، پانچ نمازیں اور رمضان کے روزے اور حج وزکوۃ وغیرہا سب ہی مشکوک ہو جائیں گے، پھر نئی نسل کو وہ دینِ کامل کہاں سے پیش کیا جا سکے گا جس کا اعلان **"الیوم اکملتُ لکم دینکُم"** میں ہو چکا ہے؟

ہاں جدید مسائل جو پیش آتے ہیں اُن سے متعلق اہل صلاحیت کو اپنی صلاحیت استعمال کر کے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن سمجھنے کے لئے حدیث یا حدیث سمجھنے کے لئے قرآن؟

مزید لکھتے ہیں: ''دوسری چیز یہ ہے کہ حدیث کو قرآن کی روشنی میں سمجھا جائے......حدیث کے بیشتر مضامین کا تعلق اُس سے وہی ہے جو کسی چیز کی فرع کا اُس کی اصل سے اور شرح کا متن سے ہوتا ہے، اصل اور متن کو دیکھے بغیر اُس کی شرح اور فرع کو سمجھنا ظاہر ہے کہ کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔'' [میزان:۶۴]

جناب! آپ نے بات الٹی کہہ دی ہے، جب حدیث شرح اور قرآن مجید متن ہے تو متن کو سمجھنے کے لئے شرح سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے نہ کہ شرح کو سمجھنے کے لئے متن کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ پھر متن شرح ہوا اور شرح متن ہوئی، پھر شرح کو اوپر اور متن کو نیچے ہونا چاہیئے جب کہ متن اوپر اور شرح نیچے رکھی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث کا درجہ ثانوی ہے اور قرآن مجید کا درجہ اولی ہے، بہر حال قرآن

مجید کو سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت ہے ،شرح متن کو سمجھانے کے لئے ہی ہوتی ہے، نہ کہ متن شرح کو سمجھانے کے لئے ہوتا ہے، ورنہ پھر تو ایسے متن کو شرح کی ضرورت ہی نہیں ہے، اور پھر قرآن مجید اور ایسے ہی دوسری آسمانی کتابوں کو انسانیت کو سمجھانے کے لئے نبی کی ضرورت ہی نہیں تھی، صرف کتاب دے دی جاتی، اور کہا جاتا کہ لوگ خود سمجھ سکتے ہیں، اللہ تعالی کے احکام کتاب میں سے سمجھ کر عمل کریں، نتیجہ یہ کہ حدیث وسنّت کی ضرورت نہ تھی، قرآن مجید پر ہی عمل ہو اور بس۔

قال مکحول القرآن احوج الی السنّة من السنّة الی القرآن. [**السنة للمروزی ح ۱۰۴، جامع بیان العلم ح۲۳۵۲، الکفایة: ۱۴**] حضرت مکحول رحمہ اللہ (م ۱۱۸ھ) فرماتے ہیں جتنا قرآن مجید (مفہوم سمجھنے کے لئے) سنّت (حدیث) کا محتاج ہے اتنی سنّت قرآن مجید کی محتاج نہیں ہے۔

قال الاوزاعی الکتاب احوج الی السنّة من السنة الی الکتاب. [**جامع بیان العلم ح۲۳۵۱**] امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں سنّت کتاب کی اتنی محتاج نہیں جتنی کتاب سنّت کی محتاج ہے۔

نامعلوم غامدی صاحب کی کتنی عقل ہے جو اِن کو بتاتی ہے کہ ''اصل اور متن کو دیکھے بغیر اُس کی شرح اور فرع کو سمجھنا ظاہر ہے کہ کسی طرح ممکن نہیں۔'' حالاں کہ اہل علم وعقل یہ سمجھتے ہیں کہ: ''شرح دیکھے بغیر متن کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔''

کیا حدیث سے قرآن مجید میں تخصیص یا نسخ جائز ہے؟

غامدی صاحب کافی تفصیل سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سنت نہ قرآن مجید کے کسی حکم اور کسی قاعدے کو منسوخ کر سکتی ہے، اور نہ اس میں کسی نوعیت کا کوئی تغیر وتبدل کر سکتی ہے، سنت کو یہ اختیار قرآن مجید نے نہیں دیا ہے، اور اب کسی امام وفقیہ کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بطور خود سنت کے لئے یہ اختیار ثابت کرنے کی کوشش کرے،......سنت کو اس طرح کا اختیار اگر حاصل ہے تو اس کے لئے قرآن مجید کے واضح اور قطعی نصوص پیش کئے جانے چاہئیں۔'' [برہان: ۳۹]

غامدی صاحب نبی کریم ﷺ کو شارح اور آپ ﷺ کے ارشادات کو قرآن مجید کی شرح مانتے ہیں، اِسے اُن کو کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ ابھی گذرا۔ اب آپ ﷺ قرآنی حکم سے متعلق کچھ بھی بیان فرمائیں تو غامدی صاحب کو چاہیئے کہ صرف کہنے اور لکھنے کی حد تک نہیں بلکہ بدل وجان اُس شارح کو شارح اور اُن کی شرح کو شرح تسلیم کریں، بحیثیت شارح کے اگر نبی کریم ﷺ قرآن مجید کے ایک خاص حکم کو عام بتائیں یا عام کو خاص، مطلق کو مقیّد بتائیں یا مقیّد کو مطلق، وغیرہ، تو اِس کو آپ ﷺ کی طرف سے تشریح کہیں گے، اُس کو گو فقہاء نے نسخ یا تخصیص کا نام دیا ہو، آپ کو اِسے اختلاف ہے تو آپ اُس کو تبیین مان لیں نا! مثلاً:

[۱]......**یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ ،لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ،فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَامَاتَرَکَ،وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَاالنِّصْفُ.**

جب کسی آیت میں بظاہر تخصیص نہ ہو، بلکہ عام حکم ہوتو وہ بمع نبی سب کو حکم ہوگا، اب اِس آیت کے مطابق فوت ہونے والا جو بھی ہو عام ہے نبی اور امتی دونوں اِس میں داخل ہیں، اِس میں فوت شدہ کے ترکہ میں اولاد کا حقِ وراثت بیان ہوا، نبی کریم ﷺ جب اِس جہان سے تشریف لے گئے ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے ،تو نبی کریم ﷺ کے وارث اُن کے پاس باغِ فدک حوالے کرنے کی درخواست لے گئے ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کو نبی کریم ﷺ کی حدیث سنائی، کہ آپ ﷺ کے ترکہ کا کوئی وارث نہیں بن سکتا "**نَحْنُ مَعَاشَرُالْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ ،مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ**،اس لئے باغ فدک تم وارثوں کے حوالے نہیں کیا جاتا، اب اِس حدیث کے ذریعہ اِس عام آیت کو غیر نبی کے ساتھ خاص کیا گیا، اور نبی کو اِس سے مستثنٰی کیا گیا، آپ اِس کا جو نام بھی رکھیں ،فقہاء نے اِس کا نام" قرآن کے عام میں حدیث کے ذریعے تخصیص" رکھا ہے۔

[۱]......قرآن مجید میں محرماتِ نکاح کے بیان میں ہے "**وَاَنْ تَجْمَعُوْابَیْنَ الْاُخْتَیْنِ**" یعنی نکاح میں دو بہنیں جمع کرنا حرام ہے، **اُختَیْنِ** واضح خاص رشتہ ہے، ہر محرم قسم کی عورتوں کو عام نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں اِس میں تعمیم فرمائی، **لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَعَمَّتِھَاوَلَابَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَخَالَتِھَا** (الموطا، رقم ۱۶۰۰) عورت اور اُس کی پھوپھی ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں، اور نہ عورت اور اُس کی خالہ" [میزان: ۴۱۴]

تو یہاں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خاص کو عام کیا، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ خاص تھا نبی نے بیان فرمایا کہ اِس کا حکم عام ہے، پہلی تعبیر میں سنت کے ذریعے قرآن کے خاص کو عام کیا گیا، دوسری تعبیر میں محض بیان ہوا کہ گو لفظاً یہ خاص ہے لیکن مراد کے لحاظ سے عام ہے، سنت کا حق قرآن کی تبیین تو آپ بھی مانتے ہیں۔

چنانچہ مولانا فراہی صاحب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف نقل کرتے ہیں:

فذھب الامام الشافعی رحمہ اللہ الی تجویز الزیادۃ علی الکتاب وتوسیع معنی البیان حتی یشمل الناسخ وھو رحمہ اللہ یتحاشی عن ان یسمیہ باسم الناسخ فیسمیہ بیان.۱ [احکام الاصول مع رسائل الفراھی :۱۱۵] امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ (حدیث کے ذریعے) کتابُ اللہ پر زیادتی جائز ہے ،اور (اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذمہ جو بیان کی ذمہ داری لگائی

ہے)بیان کا مفہوم وسیع ہے (یہ زیادتی بھی بیان میں داخل ہے)حتی کہ بیان ناسخ حدیث کو بھی شامل ہے،ہاں امام شافعی رحمہ اللہ اِس کا نام نسخ رکھنے سے کتراتے ہیں اور بیان نام رکھتے ہیں۔

قال الامام الشافعی رحمه الله ان النبی ﷺ خصص ما کان عاماً فی القرآن وذالک من البیان فخص عموم الحکم فی السرقة وحدالزنا واعطاء الخمس لذوی القربی من الغنیمة ،فقال رحمه الله لولادلالة السنة وحکمنابظاهر الکتاب جعلناالحکم عاماً(خلاصة)وقال یخصص الکتاب بالسنة والاجماع ،اقول قداصاب الامام رحمه الله فیماقال ولکن قولهٔ مجمل ..[احکام الاصول مع رسائل:۱۱۹،۱۲۰]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو قرآن مجید میں عام ہوتا نبی کریم ﷺ اُس کو خاص کرتے تھے،اور یہ تخصیص (قرآن مجید کے)بیان کا حصہ ہے،مثلاً آپ ﷺ چوری کے متعلق عام حکم کو خاص کیا ہے،ایسے ہی حدِ زنا میں تخصیص کی ہے،اور غنیمت کے مال میں سے قریبی رشتہ داروں میں پانچواں حصہ دینا بھی آپ ﷺ کی طرف سے تخصیص تھی،امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،اگر سنّت دلالت نہ کرتی (نہ سمجھاتی)اور کتابُ اللہ کے ظاہر پر ہم حکم لگاتے تو ہم کتابُ اللہ کے حکم کو عام کہتے،مزید فرماتے ہیں کتابُ اللہ میں تخصیص سنّت سے اور اجماع سے جائز ہے،امام شافعی رحمہ اللہ نے جو فرمایا درست فرمایا لیکن اِس میں اجمال ہے۔

مولانا فراہی صاحب تسلیم کر رہے ہیں کہ سنّت اور اجماع کتابُ اللہ میں تخصیص کر سکتے ہیں،ہاں مگر اُن کے خیال میں قرآن مجید کا ایسا حکم خاص ہوتا ہی ہے،نبی کریم ﷺ کے فرمان میں بس اُس کے خاص ہونے کا بیان ہوتا ہے،یہی حال خاص حکم کے اندر تعمیم کا ہے،یعنی بظاہر حکم خاص ہوتا ہے لیکن حقیقت میں عام ہوتا ہے،نبی کریم ﷺ کے فرمان میں اُس کے عام ہونے کا بیان ہوتا ہے اور بس،غامدی صاحب بھی یہی چیز مان لیں۔

اور یہی صورت نسخ کی ہے،ویسے اہل علم نے جو تحقیقات کی ہیں،اُن کے مطابق قرآن مجید میں حدیث کے ذریعے منسوخ احکام کی تعداد بہت کم ہے،جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی الفوز الکبیر سے ظاہر ہے۔

بہر حال اگر نبی کریم ﷺ سے واقعی ثابت صحیح متواتر یا مشہور درجہ کی ایسی حدیث ہو جس سے قرآن مجید کے حکم کا منسوخ ہونا معلوم ہو تو اس کو بھی منسوخ ہونے کا بیان سمجھ لیا جائے۔(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا خادم حسین بدر قسط: ۴

کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ

اب میں پھر تطبیق کی صورت عرض کر دیتا ہوں فقہاء کی عبارات یا صوفیاء کے اشغال ہوں یا بعض فقہ کی عبارات ہوں۔

مفسر شہیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

شریعت کا عام قانون اور ضابطہ یہی ہے کہ ذکر خفی ہی کیا جائے، البتہ بعض مقامات پر ذکر بالجہر کا ثبوت ہے۔ مثلاً آذان، اقامت، ایام تشریق کی تسبیحات اور ایام حج کا تلبیہ یا غزوات کے موقعہ پر تکبیر بلند کرنا وغیرہ۔ عام حالات میں ذکر خفی ہی اصل اور دستور ہے۔ ایک تو اس میں ریا سے بُعد ہوگا اور دوسرے لوگوں کے لیے تشویش کا باعث بھی نہ ہوگا۔ مشائخ کرام نے بعض حالات میں ذکر بالجہر کی تلقین کی ہے جبکہ وساوس اور خطرات کا چھٹکارا نہ ہوتا ہے۔ طرداًللشیطان یا قلب کے جمود کو توڑنے کے لیے اور جسم میں اثر اور حرارت پیدا کرنے کے لیے ذکر بالجہر کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ سب علاج کے درجہ میں ہے، ضابطہ نہیں۔

[حاشیہ فیوضات حسینی ترجمہ تحفہ ابراہیمیہ: ۱۰۸]

تو اصل یہی ہے کہ ذکر آہستہ ہو، ہاں شرائط کے ساتھ جہری بھی درست ہے۔

حنفیہ کو اس کا بھرپور خیال رکھنا چاہیے کہ امام اعظمؒ کا نظریہ بھی یہی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔ [راہ سنت: ۱۷۷]

اس تفصیل سے بات نکھر گئی کہ ذکر بالجہر ناجائز ہے اور جائز کہنے والے فقہاء یا صوفیاء کی اجازت شرائط کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ آرہا ہے، مگر زمانہ حال کے اہل بدعت اور اہل مجالس میں شرائط مفقود ہیں۔ لہٰذا ان کو اجازت نہیں ہے۔

ذکر جہری کی اجازت شرائط کے ساتھ ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ یہ صوفیاء کے سرخیل حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے سنیے:

حضرت فرماتے ہیں الحاصل ذکر جہری بعد نماز کے سوائے ایام تشریق وغیرہ کے احیاناً ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ جہر مفرط (حد سے زیادہ بلند آواز) نہ ہو اور ایسے ہی اگر مقصود جہر سے تعلیم ہو۔ اور بدون ان اغراض کے اس کا التزام و اہتمام کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، خلاف طریقہ نبویہ (رسول

اللہ ﷺ) وطریقہ سلف صالحین ہے۔ انتہی ملخصاً۔ [اصلی حنفیت: ۱۹]

تو جائز کہنے والے صوفیاء بھی شرائط کی بات کرتے ہیں، ورنہ ناجائز سمجھتے ہیں اور یہی حال ہمارا ہے۔ اور جائز کہنے والے فقہاء بھی شرائط کی قید ضرور لگاتے ہیں۔ شامی ہی کو دیکھ لیجیے وہاں موجود ہے کہ جہر سے نائم، مصلی وغیرہ کو تکلیف نہ ہو۔

تو بات تقریباً اتفاقی ہے کہ جہری ذکر نا جائز ہے مگر شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ بہت ہی مناسب ہو گا کہ میں اس موقع پر علامہ خالد محمود صاحب زید معالیہ کے ایک طویل پیراگراف کو نقل کر دوں۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

خانقاہی اذکار میں بے شک ذکر بالجہر کی اجازت ہے، لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے مسجدوں میں بھی ذکر بالجہر قائم کر رکھا ہے۔ مناسب نہ ہوگا کہ ہم کچھ اس کا بھی یہاں ذکر کر دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے کچھ لوگوں کو مسجد میں ذکر بالجہر کرتے پایا تو آپ نے اسے بدعت فرمایا اور انہیں مسجد سے اٹھا دیا۔

مع عن ابن مسعود انّه اخرج جماعة من المسجد يهللون و يصلون على النبى ﷺ جهرا و قال لهم ما اراكم الا مبتدعين. [شامی: ۳۵۰/۲] ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو جو مسجد میں بلند آواز سے کلمہ شریف اور درود شریف پڑھ رہے تھے، باہر نکال دیا۔ اور فرمایا کہ تم مجھے بدعتی دکھائی دے رہو۔

فقہ حنفی کی سب سے بڑی سند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ جو انہیں بھی نہ مانے، آپ ہی بتائیں وہ حنفی کیسے ہوسکتا ہے۔

حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرام تین موقعوں پر آواز اونچی کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ (۱) جنازے کے ساتھ، (۲) جنگ کے وقت، (۳) ذکر کرتے وقت۔ [سیر کبیر: ۸۹/۱]

فقہ حنفی کی معتبر کتاب فتاوی قاضی خان میں ہے:

ترجمہ: اونچی آواز سے اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی اللہ کا ذکر کرے تو اپنے جی میں کرے۔

علامہ ابن نجیم [۹۶۹ھ] فرماتے ہیں کہ یہاں کراہت سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

الكراهة فيها كراهة تحريم. [البحر الرائق: ۱۹۹/۲]

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ اس صورت میں ہے کہ ذکر مسجد میں ہو۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری [۱۰۱۴ھ] لکھتے ہیں:

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں اونچی آواز نکالنا ذکر میں بھی مکروہ ہے۔ خواہ وہاں نمازیوں کی نماز میں خلل نہ بھی آتا ہو یا وہاں نمازی ہی نہ ہوں۔

محدث کبیر علامہ حلبی حنفی [۹۵۶ھ] ذکر بالجہر کو خلاف امر قرآن کہتے ہیں۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اور یہ قرآن کریم کے اس حکم کے خلاف ہے [پ۸ الاعراف ۵۵] اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ آواز سے پکارو۔ (علامہ شامی ۱۲۵۳ھ) کتاب الحظر والاباحۃ میں لکھتے ہیں: [شامی: ۵ص۔۔۔] ترجمہ: ہمارے زمانے کے جھوٹے صوفیوں نے جو اونچے ذکر شروع کر رکھے ہیں، ان کی طرف جانا اور ان میں بیٹھنا جائز نہیں۔

افسوس کہ آج کل مسجدوں میں نہ دوسروں کے قرآن پڑھنے کی پرواہ ہے، نہ کسی معتکف کے سونے کی، نہ دیر سے آنے والوں کی نماز کی اور ذکر کی مجلس ایسے جوش سے قائم ہوتی ہے کہ الامان والحفیظ۔

مولانا احمد رضا خان بھی کہتے ہیں: بے شک ایسی صورت میں ان کو جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے۔ [فتاوی رضویہ: ۔۔/۵۹۶]

اللہ تعالیٰ ان مشائخ کرام پر رحمتیں اتارے، جنہوں نے مریدین کی تربیت کے لیے خانقاہیں قائم کیں۔ تاکہ مسجدوں کا احترام اور ان پر نمازیوں کا حق قائم رہے، اور ان کے متوسلین اور مریدین حسب ضرورت کبھی ذکر بالجہر بھی کر سکیں۔ اس میں ایک ذوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بطور علاج کیا جا سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ [آثار الاحسان: ۱/۳۱۱ تا ۳۱۳]

یہ تو تھا انفرادی طور پر ذکر کرنے کا مسئلہ، اب آیئے اکابر اہل سنت دیوبند کی طرف چلتے ہیں کہ ان کا ذکر طرز تعلیم اور ان کی خانقاہوں کی کیا حالت تھی!؟

اکابر کا طریقہ ذکر انفرادی ہوتا تھا:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا وقت آیا، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے ذکر شغل اور محنت ومجاہدہ کچھ نہیں ہوسکتا اور نہ رات کو اٹھا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا اچھا کیا مضائقہ ہے۔ اس تذکرہ پر کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا۔

تو آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ پھر تو میں مٹا۔ پہلی ہی شب میں اعلیٰ حضرت نے

میری چارپائی اپنی چارپائی کے قریب بچھوائی، اور جب آخر شب میں اعلیٰ حضرت بیدار ہوئے تو میری بھی آنکھ کھل گئی۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کروٹیں لیں، آخر نہ رہا گیا۔ اٹھ کر وضو کیا، مسجد کے ایک کونہ میں اعلیٰ حضرت مشغول تھے۔ دوسرے کونہ میں میں جا کھڑا ہوگیا اور تہجد کے بعد ذکر نفی اثبات بالجہر شروع کر دیا۔ گلا اچھا تھا، بدن میں قوت تھی۔ صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ تم نے ایسے ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو۔ اس دن سے ذکر جہر کے ساتھ مجھے محبت ہوگئی۔ پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا، اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی۔ اور وصال تک دیگر مشاغل مراقبہ وغیرہ کے ساتھ ذکر بارہ تسبیح فرماتے رہے۔ ایسی ہلکی آواز کے ساتھ جس کو حجرہ کے پاس بیٹھنے والا سن سکتا تھا۔

[تذکرۃ الرشید: ۴۸۔ آپ بیتی از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ: ۱۰۸]

حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ ایک پہاڑی پر بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے، دُور دُور تک ان کی آواز جاتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنی اخیر حیات تک ذکر جہری کرتے تھے، حجرے کا کواڑ بند کر دیتے تھے۔ کوئی شخص باہر دروازے پر ہوتا تو اس کو آواز سنائی دیتی تھی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ جب تک صاحب فراش نہیں ہوئے تھے، اس وقت ذکر جہری کرتے تھے۔ [ملفوظاتِ فقیہ الامت: ۴۷۵]

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے بند حجرے میں ذکر میں مشغول تھے، تو ہر ضرب کے ساتھ دھاکہ کی آواز بھی آتی تھی۔ لوگ مشوش ہوئے کہ یہ کیا قصہ ہے۔ حجرے کے کواڑ اتارے گئے، کیوں کہ اندر سے زنجیر بند تھی۔ اندر جا کے دیکھا تو حضرت کے برابر ایک سانپ ہے اور جب حضرت ضرب لگاتے ہیں تو وہ بھی اپنا سر زمین پر دے مارتا ہے۔ حضرت گردن اٹھائے ہیں، تو وہ بھی سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور جب حضرت ضرب لگاتے ہیں تو وہ بھی زور سے زمین پر سر پٹکتا ہے۔ یہ دھاکہ اسی کا تھا، لوگوں نے اُسے مارا، مار کر باہر لائے۔ لیکن حضرت کو کچھ خبر نہیں ہوئی۔

[مکتوب الحقیر السعید مؤرخہ ۳/ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ]

آگے مولانا طیب صاحب نے یہ اضافہ بھی فرمایا ہے کہ:

''یہ واقعہ میں نے حضرت امیر شاہ صاحب اور دوسرے متعدد بزرگوں سے سنا ہے۔''

[سوانح قاسمی یعنی سیرت شمس الاسلام از حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ: ۳۰۶]

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم و تدریس کی محنت اٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل و ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ اور رمضان المبارک میں تو تمام

رات جاگنے کا معمول تھا۔ حضرتؒ کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفّاظ کئی کئی پارے سناتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرتؒ کے پاؤں پر ورم آجاتا اور حتی تورمت قدماہ کی سنت نبوی ﷺ نصیب ہوتی تھی۔ [دارالعلوم دیوبند نمبر:۳۷۴]

ایک دفعہ سنہری مسجد دہلی میں، میں نے دیکھا کہ شاہ صاحبؒ (یعنی حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ) اسم ذات اللہ، اللہ کا ذکر درمیانہ جہر کے ساتھ کر رہے ہیں۔ حجرے کے اندر بیٹھے تھے اور دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ شاہ صاحبؒ صوفی بھی ہیں، حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں جاتے ہیں۔ [ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ از حضرت اقدس مولانا محمد انوری:۱۶،۱۷]

حضرت حسین احمد مدنیؒ نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی صاحب (حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ) سے شرفِ زیارت کا ذکر یوں فرمایا:

اواخر ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ میں حاضری مکہ مکرمہ نصیب ہوئی، موصوف اس وقت بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کا سلام و پیام سن کر بہت خوش ہوئے اور دیر تک نہایت محبت سے تذکرہ فرماتے رہے۔ اور فرمایا تمنا ہے ایک مرتبہ پھر زندگی میں ملاقات ہو جاتی اور مجھے پاسِ انفاس کی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا کہ روز صبح کو یہاں آکر بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو۔ چند دنوں کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اس پاکیزہ سرزمین میں اپنے احسان وسلوک کے اسباق کو یوں پورا فرمایا کرتے۔

چناں چہ حرم محترم میں بیٹھ کر پاسِ انفاس کیا کرتا تھا۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں سلسلہ چشتیہ قدس اللہ اسرارھم کی نسبت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور گریہ کی حالت طاری ہونی شروع ہوگئی۔ اس اثناء میں رؤیائے صالحہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت باسعادت خواب میں بکثرت ہونے لگی۔ نیز ذکر کی وجہ سے جسم میں بے اختیاری حرکات بھی ہونے لگیں۔ مسجد نبوی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام

چوں کہ لوگوں کا مجمع ہر وقت رہتا تھا، میں نے اس لیے ایسا وقت مقرر کیا جس میں کم سے کم مجمع رہے۔ اور وہ وقت آفتاب نکلنے سے ایک گھنٹہ بعد کا تھا۔ مگر جب آثارِ ذکر جسم پر زیادہ ظاہر ہونے لگے تو لوگوں سے شرم کی وجہ سے شہر کے باہر جنگل میں جانے لگا۔ مسجد شریف کی مشرقی جانب جدھر بقیع شریف ہے، آبادی نہیں، ادھر نکل جاتا تھا اور کبھی مسجد الاجابہ میں۔ یہاں پر بعض ادعیہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی مقبول ہوئی ہیں اور کبھی اس کے قریب کھجوروں کے جھنڈوں میں تنہا بیٹھ کر ذکر کرتا رہتا تھا۔ کئی بار سید دو عالم ﷺ کی زیارتِ منامی کا شرف حاصل ہوا۔ [چراغ محمد از قاضی محمد زاہد الحسینیؒ:۱۰۱،۱۰۲]

ذکر سے لگاؤ اور دلچسپی کا حال یہ تھا کہ رات میں بہت کم سونے کی نوبت آتی، شیخ کے لیٹ جانے کے بعد ذکر میں مشغول ہو جاتے اور پوری پوری رات ذکر میں گزار دیتے۔

فرماتے تھے کہ:

اس زمانہ میں طبیعت ذکر کے ساتھ ایسی چسپاں ہو گئی تھی کہ ایک ہی مجلس اور نشست میں شدّ ومدّ کے ساتھ ذکر پورا کر لیتا تھا۔ درمیان میں کمر دکھنے لگتی تو ایک تختی سے سہارا لگا لیتا۔ ذکر پورا کیے بغیر مجھے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی، اب تو لوگوں کو کم ہی ذکر کا ذوق وشوق ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے والد حضرت مولانا یحییٰؒ صاحب جب رائے پور تشریف لائے تو ذِکر کے وقت میرے پاس آ کر بیٹھ جاتے اور فرماتے تھے کہ: تیرا ذکر سننے آیا ہوں۔

[مختصر حالاتِ زندگی حجرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ از حضرت مولانا مفتی محمد سلیمان قاسمی: ۶۴]

ظہر کی نماز باجماعت ادا فرما کر آپؒ کا ہمیشہ کا معمول خلوت (تنہائی) میں تشریف فرمانے کا رہا۔ اس تخلیہ میں ذکر ومراقبہ، تلاوت ونوافل کا اہتمام ہوتا تھا۔

[مختصر حالاتِ زندگی حجرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ از حضرت مولانا مفتی محمد سلیمان قاسمی: ۱۴۲]

آپ بیتی [۲/۸۰] میں حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں: نماز ظہر کے بعد حضرت تخلیہ میں تشریف لے جاتے اور کیواڑ بند ہو جاتا، سفر وحضر میں یہ قدیمی اور دائمی معمول تھا۔ البتہ اخیر زمانہ شدت مرض میں اس کی پابندی نہیں رہی۔ اس تخلیہ میں عموماً صلوٰۃ التسبیح اور ذکر بالجہر کا معمول تھا۔ (از زکریا جہر بہت ہلکی آواز سے ہوتا جو حجرہ کی باہر کی سہ دری سے آگے نہیں نکلا۔

حضرت والا (شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ) نے بارہ تسبیح کا ذکر ارشاد فرمایا ہے، بحمد للہ وہ پابندی سے کرتا ہوں۔ مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے۔ اذانِ فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھنے کا معمول ہے، مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی۔ استغفار، درود شریف، تسبیحاتِ فاطمی اور دیگر اذکار مسنونہ پر حتی الوسع مداومت کرتا ہوں۔ الحمد للہ جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ [بیّنات، شہید اسلام نمبر: ۹۸]

•......حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ: ہم نے دار العلوم کا وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحبِ نسبت بزرگوں اور اولیاء اللہ تھے۔ دار العلوم اس زمانہ میں دن کو دار العلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا

تھا۔ کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دارالعلوم کا طغرائے امتیاز تھا۔[دارالعلوم دیوبند نمبر: ۳۷۴]

• ......حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ فرماتے ہیں:

میں اپنے شیخ کے ساتھ رہتا تھا، حضرت آٹھ آٹھ گھنٹے عبادت کرتے تھے۔ تین بجے رات کو اٹھتے اور دس پارے تلاوت کرتے تھے۔ مناجاتِ مقبول زبانی یاد تھی اور اس کی ساتویں منزل روزانہ پڑھتے تھے۔ قصیدہ بردہ زبانی یاد تھا، بارہ تسبیح اور تہجد کی ہر دو رکعت کے بعد سجدہ میں روتے تھے۔ یہ سب پندرہ سال تک میری آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے، لیکن میں کبھی حضرتؒ سے غائب نہیں ہوا۔ الحمدللہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت فارغ ہوئے ہوں اور مجھے نہ پایا ہو۔ میں حضرت کی جوتیاں لیے ایک جگہ بیٹھا رہتا، ایسی جگہ بیٹھتا تھا کہ حضرت کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔ تاکہ ان کو احساس نہ ہو کہ میرے راز خلوت سے کوئی واقف ہے، تاکہ آزادی سے میرا شیخ اپنے اللہ کو خوب یاد کرے۔ کیوں کہ دیکھنے سے عبادت مشکل ہو جاتی ہے، اس لیے کونے میں بیٹھتا تھا۔ جب حضرت اٹھتے اور مسجد سے باہر آتے تو حضرت کے پاؤں میں جوتا پہنا دیتا۔

[سہ ماہی فغان اختر شاہ محمد حکیم اختر نمبر: ۵۷۶، ۵۷۷]

• ......حضرت شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ فرماتے ہیں:

احقر تعلیمِ طب سے فارغ ہو کر جب اپنے وطن واپس آ گیا تو گاؤں میں بھی ایک مسجد کسی قدر آبادی سے باہر تھی اور کچھ غیر آبادسی تھی، وہاں سناٹا رہتا تھا۔ احقر اسی مسجد میں ذکر کرتا اور بہت لطف آتا۔ الخ

[سہ ماہی فغان اختر کا خاص نمبر: ۲۴۷]

حکیم الامتؒ کے اجل خلیفہ مولنا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ کے متعلق ان کی سوانح میں ہے:

آپ کے رفیق درس مولنا محمد حیات صاحب فرماتے ہیں: سحر کے وقت جاگنا گویا حضرت مرحوم کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، تہجد کے بعد اذکار اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے......گھر کے قیام کے دوران تہجد اور ذکر اذکار سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر استراحت فرماتے۔[تجلیات رحمانی: ۳۳۵]

اکابر کا ذکر تعلیم کرنے کا طریقہ:

ہم اب آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اکابر ذکر کی تعلیم کیسے دیتے تھے، تاکہ آج کل کے حلقہ کو تعلیماً کہنے والے بھی نظر شفقت فرمائیں۔

ا۔ خلیل الملۃ والدین حضرت مولنا خلیل احمد سہارنپوری نے مولوی ظفر احمد صاحب کو بیعت فرمایا تو

پہلے تصوف کی حقیقت پر مختصر گفتگو فرمائی۔ پھر آگے انہی کی زبانی سنیے، وہ فرماتے ہیں:

اس کے بعد آپ نے اپنے دستِ مبارک میں میرے ہاتھ لے کر حسبِ معمول بیعت فرمایا۔ اور پھر دوسو بار ذکر نفی اثبات اور دو ہزار مرتبہ اسمِ ذات کی تلقین فرمائی۔ اور خود باقاعدہ کر کے دکھلایا کہ چار زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے لا الہ کو کامل مد کے ساتھ گردن کی دائیں طرف لے جا کر الا اللہ کو قلب پر ہلکی ضرب کے ساتھ ختم کیا۔ دو تین مرتبہ اسی طرح کر کے دکھلایا اور فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے۔ اور اسی طرح سکھلاتے آئے ہیں، اسی طرح نفع زیادہ اور جلدی ہوتا ہے۔ اس کے بعد ذکر اسمِ ذات بھی خود کر کے دکھلایا۔ [تذکرۂ خلیل از حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ]

•......مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری لکھتے ہیں:

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا طبعی رجحان اعمالِ مسنونہ اور اورادِ مسنونہ کی طرف زیادہ تھا۔ چناں چہ آپ ارشاد فرماتے ہیں: میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں، ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ اور تیسرا کلمہ **سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اللهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** اور صبح وشام سوسو مرتبہ درود شریف، استغفار، تلاوتِ قرآن مع تصحیح قرأت اور نوافل میں تہجد کی تاکید اور اہل ذکر کے پاس جانا، علم بدون ذکر کے ظلمت ہے۔ اور ذکر بدون علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔

[تذکرہ امیر تبلیغ: ۸۳]

یہ دونوں بزرگ قطب الارشاد فقیہ النفس حضرت مولنا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے سیراب ہیں۔ تو انہوں نے ذکر تعلیم کرنے کا طریقہ اجتماعی ذکر نہیں بتایا، بلکہ انفرادی طور پر تعلیم یوں دی کہ خود کر کے دکھلایا۔ جیسا کہ تذکرہ خلیل میں ہے یا بتایا، جیسا کہ دوسرے حوالے میں ہے۔ مگر مل کر ساتھ ذکر کروانا تعلیم کی خاطر اکابر کا طرز نہیں بلکہ فخر المحدثین حضرت سہارنپوریؒ نے تو یہ بھی بتلایا کہ مشائخ یونہی تعلیم دیتے آئے ہیں۔

ایک بات مزید بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مولانا عزیز الرحمان بجنوری لکھتے ہیں: حلقہ علماء دیوبند میں سلوک وتصوف شریعت وطریقت میں سنت کے مطابق مذاق صرف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مرہون منت ہے۔ انہوں نے اپنے متبعین میں دین کا وہی تصور چھوڑا جو حضرات صحابہؓ اور خیر القرون میں تھا۔ [تذکرہ امیر تبلیغ: ۸۱]

بہر کیف اکابر کا طرزِ تعلیم یہی تھا، مجمع کو بتا دیا، سمجھا دیا وغیرہ۔ مگر سب کو ملا کر یک زبان ہو کر ساتھ

کرانا، یہ اکابر کا طرز نہ تھا۔

خیبر کے سفر میں صحابہ کرامؓ آں حضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ کبھی ٹیلوں پر چڑھتے، کبھی نیچے اترتے اور بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، آں حضرت ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اَنَّكُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا وَ هُوَ مَعَكُمْ. ''اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو، تم اس ذات کو نہیں پکار رہے جو بہری اور غائب ہو۔ تم تو سمیع اور قریب ذات کو پکار رہے ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

اس روایت کی روشنی میں ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں تعلیم کی خاطر ہو تو الگ بات ہے کہ کسی موقع پر پیر اپنے مریدوں کو جمع کر کے بلند آواز سے ذکر سناتا ہے کہ ان کو ذکر کا طریقہ آجائے، تو وہ جائز ہے۔ کیوں کہ تعلیم کا مسئلہ ہے، ویسے بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے، خاص طور پر مسجدوں میں۔ اور قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ رفع الاصوات فی المساجد، مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔

[ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن: ۳۴۶/۲۰۔ از امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ]

حضرت خواجہ فضل علی شاہ قریشیؒ کے بارے میں سید زوار حسین شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: ایک روز اپنی بستی میں آپ ذکر بتا رہے تھے۔ کہ نمبر دار پر جو اس کا منکر تھا، جذبہ ہو گیا اور کچھ دن کے بعد اس کے بھائی کو جذبہ ہو گیا۔ پھر تو ہر طرف چرچا ہونے لگا اور اتنا بڑھا کہ دُور دُور کے علاقوں تک پہنچ گیا۔

[مقامات فضیلہ از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب: ۲۶]

مولانا نعمانیؒ اپنا حضرت سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس دن سالانہ امتحان کا آخری پرچہ ہوا، جس سے اگلے دن مجھے دیوبند سے وطن روانہ ہو جانا تھا۔ میں رات کو بعد عشاء حضرت کی خدمت میں دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ حضرت اس وقت تنہا تھے، میں نے درخواست پیش کی۔ حضرت نے مجھے دوسرے اکابر کی طرف رجوع کے لیے فرمایا۔ لیکن جب میں نے اس کے بعد بھی اپنی ہی بات عرض کی اور ایک درجہ میں نیاز مندانہ اصرار کیا تو قبول فرما لیا۔ توبہ کی تلقین اور تسبیحات اور شغل پاس انفاس کی تعلیم فرمائی۔ [تحدیث نعمت: ۳۶]

دیکھیے کوئی مجلس ذکر منعقد کرانے کا طریقہ نہیں سکھایا گیا، بلکہ تعلیم کا دستور یہ تھا کہ مرید کو بتا دیا جائے یا کر کے سکھا دیا جائے۔

اکابر کی خانقاہوں کا حال:

اکابر سے تعلیم کرنے کا طریقہ معلوم ہو چکا ہے۔ بعض حضرات نے یہ جو علاج اور تعلیم کے لیے اب مروج اور متنازعہ اجتماعی ذکر کو جائز قرار دیا ہے، بندہ کی سوچ میں یہ درست نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے، جس بات پر صحابی رسول ﷺ نے شدید نکیر فرمائی اور اسے بدعت قرار دیا۔ اس کو آج کسی رخ سے جائز قرار دینا، یہ کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اور جو چیز اہل بدعت کو تقویت دے، اس کو اب تعلیم و علاج کیسے مناسب قرار دینا درست ہے۔ اور جب تشبہ اہل بدعت کا پایا جا رہا ہے تو پھر آپ اسے کیسے تجویز فرما رہے ہیں۔ جب ہمارے اکابر نے ذکر کیا اور بتایا بھی، مگر اجتماعی مروج نہ تھا، تو آج ہم کیسے اس کی طرف اجازت دیں۔ ظاہر ہے، بیماری نئی ہو یا پرانی، تو پھر اس کو باقی خدشات سے خالی ذہن ہو کر کیسے سوچا جاسکتا ہے۔ مگر جب باقی خدشات بھی موجود ہوں اور بیماری بھی نئی نہ ہو بلکہ پرانی ہو تو اکابر کی تعلیم اور علاج میں نفع ہے، کہ ہر آدمی اپنا اپنا ذکر کرے۔

جناب ملک عبدالحفیظ مکی صاحب مرحوم سرگودھا مرکز تشریف لائے اور دوران بیان فرمایا کہ میں نے تین خانقاہیں دیکھی ہیں۔ تھانہ بھون، رائے پور، گنگوہ شریف۔ لوگ تہجد کے وقت آتے تھے، نوافل کے بعد اپنا اپنا ذکر کرتے۔ یہ اجتماعی نہ ہوتا تھا، بلکہ انفرادی۔ بہر حال ایک اور شہادت پیش خدمت ہے۔

- ......شیر سنیت حضرت مولنا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں: غالباً (میرا وہاں) پہلا ہی دن تھا کہ حضرت رائے پوری قدس سرہ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ ازراہ شفقت و عنایت مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا تھا۔ جہاں تک یاد ہے، کوئی تیسرا شخص اس وقت وہاں پر نہیں تھا۔ قریب ہی خانقاہ کی سہ دری میں چند حضرات نفی اثبات کا، بعض ان میں سے اسم ذات کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب اچھے خاصے جہر کے ساتھ ذکر کرتے تھے، اور خاص طریقہ سے قلب پر ضرب لگاتے تھے۔ میں جہر و ضرب کے اس طریقہ سے اپنے اندر انقباض محسوس کر رہا تھا۔ الخ [تحدیث نعمت: ۱۸۹]

دیکھیے اگر جماعتی مروجہ ہوتا تو سب ایک ہی کرتے، مگر وہاں لوگ اپنا اپنا کوئی اسم ذات، تو کوئی نفی اثبات میں لگا ہوا ہے۔ باقی نعمانی صاحب نے انقباض کا جواب حضرت رائے پوریؒ نے یہ دیا ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مومور بہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اور اسی واسطے اصل مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں۔ [تحدیث نعمت: ۱۹۷]

(جاری ہے۔)

☆......☆......☆......☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

قسط:۸

زبیر علی زئی:

> ۳: ایک تقلیدی [۵۳۰] نے وتر والی قوی حدیث کے بارے میں کہا:
>
> اور میں نے اس حدیث (کے جواب) کے بارے [۵۳۱] میں تقریباً چودہ سال غور و فکر کیا، پھر میں نے اس کا شافی (شفا دینے والا اور کافی) جواب نکال لیا۔ (العرف [۵۳۲] الشذی ص ۱۰۷)
>
> ۴: رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے:
>
> ورنہ مقلد کے لیے صرف قول امام ہی حجت ہے [۵۳۳]۔'' (ارشاد القاری: ۲۸۸)
>
> اور لکھا ہے:
>
> ''اس لئے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد [۵۳۴] ہیں اور مقلد کے لئے قولِ امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلہ [۵۳۵] اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفۂ مجتہد ہے [۵۳۶]۔'' (ارشاد القاری: ۴۱۲)
>
> نیز لکھا ہے: ''ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۂ [۵۳۷] مقلد نہیں۔'' (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۰)
>
> ۵: زاہد الحسینی دیوبندی نے لکھا ہے:
>
> ''حالاں کہ ہر مقلد کے لیے [۵۳۸] آخری دلیل مجتہد کا قول ہے۔''
>
> (مقدمہ کتاب: دفاع امام ابوحنیفہ: ۲۶، کشکولِ معرفت: ۲۰)
>
> اس طرح کی بہت سی [۵۳۹] مثالیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ بدعت [۵۴۰] یعنی [۵۴۱] غالی مقلدین کے نزدیک قرآن و حدیث حجت نہیں بلکہ اپنے خود ساختہ ''امام'' و اکابر (!!) کا قول و عمل ہی [۵۴۲] حجت ہے۔

الجواب:

۵۳۰

[الف]

علی زئی صاحب اپنے مخالف کو ''تقلیدی'' کہہ دیتے ہیں مگر تقلید کے خوگر اہلِ حدیثوں کے بارے میں چپ سادھ لیتے ہیں۔ مدعیان اہلِ حدیث کے تقلیدی ہونے پر چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اورزمانہ صحابہ وتابعین میں عوام خواص سے مسائل دینی پوچھتے اوروہ اکثر مواقعہ پر بلاذکر دلیل ان کو جواب دیتے اوروہ اس پر عمل کرتے۔حضرت شاہ ولی اللہ...اور ان سے متقدمین ومتاخرین علماء اصول وفقہ اس تقلید کو جائز بتاتے چلے آئے ہیں اوراس پر اجماع صحابہ وغیرہ کے مدعی اورناقل ہیں۔‘‘[اشاعۃ السنۃ:۲۲/ ۳۳۰]

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

’’بوقت عدم وجدان وعدم تیسر نصوص تقلید مجتہدین واجب اور جائز ہے۔‘‘[اشاعۃ السنۃ:۲۲/ ۳۶۰]

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

’’کیا یہ نتیجہ ترک مطلق تقلید اوراختیار اجتہاد سراپا الحاد نہیں ہے! خدا اس سے صادق اہلِ حدیث متبعین سید المرسلین کو بچاوے۔‘‘[اشاعۃ السنۃ:۲۲/ ۳۶۶]

بٹالوی صاحب نے سردار اہلِ حدیث کا لقب پانے والے ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کرکے لکھا:

’’تم نے بتقلید اپنے پیشواؤں معتزلہ اورشیعوں اورخارجیوں کی یہ مشکلات پیش کی ہیں۔‘‘

[اشاعۃ السنۃ:۲۲/ ۳۶۷]

عبدالجبار غزنوی غیر مقلد نے غلام علی قصوری غیر مقلد کے متعلق لکھا:

’’مصنف ایک شخص کا مقلد بن کر اجماع امت کا خلاف کرتا ہے اورناواقفوں کو ورطہ تحیر میں ڈالتا ہے۔‘‘[اثبات الالھام و البیعۃ :۳۹]

غزنوی صاحب نے قصوری صاحب کے بارے میں مزید لکھا:

’’وعدہ تو کیا تھا کہ ہم آیت اورحدیث سے سند لاویں گے۔جب آیت وحدیث سے کوئی سند نہ ملی تو فقہاء کے مقلد بن گئے۔‘‘[اثبات الالھام و البیعۃ :۹۵]

قصوری صاحب کی تقلیدی زندگی پر غزنوی صاحب کی چند عبارتیں مزید ملاحظہ فرمالیں:

’’ان [متکلمین (ناقل)] کی تقلید کرتے ہیں۔‘‘[اثبات الالھام و البیعۃ :۱۳۵]

’’پس جو کام بتقلید شعرا آپ کے لئے جائز ہوجاتا ہے کیا باتباع سنۃ نبویہ اور باقتداء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے اورآپ کے حق جائز نہیں ہوسکتا۔‘‘[اثبات الالھام و البیعۃ :۱۶۰]

’’جن اہلِ مذاہب کو غرق بحر ضلالت کہتے تھے اُنہیں کی تقلید سے خود گرداب ِ ہلاکت میں غوطہ کھانے لگے۔‘‘[اثبات الالھام و البیعۃ :۱۷۲]

تقلید کی حمایت کرنے اور تقلید کی شاہراہ پر چلنے والے مدعیان اہلِ حدیث کے بہت سے حوالے ہم پہلے بھی اپنی اسی کتاب میں متعدد مقامات پر نقل کرچکے ہیں۔اور کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے علی زئی

صاحب کے متعلق لکھا:

”بعض مقامات پر خود موصوف نے امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کی اندھی تقلید کی ہے۔“

[حدیث یزید محدثین کی نظر میں: ۷]

اب سوال یہ ہے کہ اس کے باوجود علی زئی نے اپنے تقلیدی اہلِ حدیثوں کو اور خود کو ”تقلیدی“ نہیں کہا، کیوں؟

[ب]

علی زئی صاحب نے جنہیں ”تقلیدی“ کہا، وہ العرف الشذی کے مقرر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے غیر مقلدین کی زبانی ان کا مقام و مرتبہ ملاحظہ فرمالیں۔

علی زئی کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے حضرت کشمیری رحمہ اللہ کو ”مجتہد“ تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”مجیب نے میری منقولہ بالا تعریف کو صحیح مان کر لکھا ہے کہ دلیل کی معرفت ہدایہ وغیرہ پڑھنے سے نہیں آتی کیونکہ معرفتِ دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظِ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں اور یہ منسوخ نہیں وغیرہ، ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے۔ میں (ثناء اللہ) کہتا ہوں کہ مجیب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے، مگر مجیب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ جن علماء کی نسبت میرا سوال ہے وہ تو دلیل کی معرفت تامہ رکھتے ہیں۔ اب میں مجبوراً چند علماء کے اسماء گرامی بطورِ مثال پیش کر کے پوچھتا ہوں کہ کیا مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم، مولانا انور شاہ دیوبندی مرحوم، مولانا محمود حسن مرحوم، مولانا حسین احمد سلمہ اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم وغیرہم اکابر علماء حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفتِ تامہ حاصل تھی یا نہ تھی؟ واللہ مجھے اس کی نفی کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایسا خیال کرنا ان بزرگوں کی ہتک سمجھتا ہوں۔“

[فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۲۶۳]

علی زئی صاحب کے استاد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ماضی قریب کے جید اہلِ علم جن پر برصغیر پاک و ہند کو بجا طور پر فخر ہے، ولی اللّٰہی خاندان اور ان کے متوسلین... مولانا قاسم نانوتوی، مولانا محمود حسن، مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا کفایت اللہ رحمہم اللہ سب بزرگ اسی نصاب کے فیض یافتہ تھے۔ ان حضرات کی خدماتِ علمی و اسلامی سے کون انکار کرسکتا ہے؟“

[الاعتصام: اشاعتِ خاص، بیاد بھوجیانی: ۴۹۰]

علی زئی صاحب کے استاد عبد المنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جو دیوبند میں حدیث کے استاد تھے اور بہت اونچے پایہ کے

محدث اور شیخ الحدیث تھے۔''[مقالاتِ نور پوری:۱۱۵]

نور پوری صاحب مزید لکھتے ہیں:

''مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بہت پایہ کے محدث ہوئے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔''[مقالات نور پوری:۴۴۹]

نور پوری صاحب ہی لکھتے ہیں:

''مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم کے بڑے استاذ اور بہت بڑے عالم، محدث تھے۔''[مقالاتِ نور پوری صفحہ۳۱۱]

علی زئی صاحب کے استاد محبّ اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بہاول نگر[صحیح بہاول پور ہے(ناقل)] کے ڈسٹرکٹ جج خان صاحب محمد اکبر کے سامنے ایک مقدمہ آیا جس میں مدعیہ ایک عورت تھی اس کا دعوی یہ تھا کہ اس کا شوہر چونکہ غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا ہے اور یہ بات ختمِ نبوت کے خلاف ہے جو کہ امتِ مسلمہ کا اجماعی مسئلہ ہے اس لئے اس کا شوہر مرتد ہو گیا ہے، اس بناء پر اس کا نکاح فسخ کیا جائے کیونکہ ایک مسلم عورت ایک کافر کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔خان صاحب موصوف نے اس مقدمہ کا فیصلہ عورت کے حق کیا اور عورت کی طرف سے کئی علماء کرام شاہد تھے، جن میں مولانا انور شاہ کشمیری بھی شامل[بلکہ انہوں نے مرکزی کردار ادا کیا(ناقل)] تھا۔ان تمام نے مدعی علیہ یعنی عورت کے شوہر کا کفر ثابت کیا۔بالآخر عورت کا نکاح فسخ کیا گیا اور جج صاحب نے ڈگری اس عورت کے فائدہ میں نکالی یہ مقدمہ ایک رسالہ بنام مقدمہ بہاول پور میں شائع ہوا جو کتب خانہ عالیہ علمیہ میں موجود ہے۔''[مقالاتِ راشدیہ:۱/۴۵]

سلطان محمود جلال پوری غیر مقلد نے''مقدمہ بہاول پور''کو نسبۃً تفصیل سے بیان کیا ہے۔ہم یہاں اس میں سے صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس کا تعلق حضرت کشمیری رحمہ اللہ سے ہے۔جلال پوری کہتے ہیں:

''مقدمہ کی پوری روئیداد چھپ چکی ہے مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ...نے اہل اسلام کی طرف سے دلائل پیش کیے۔...فیصلہ مولانا الٰہی بخش رحمہ اللہ کی لڑکی کے حق میں ہوا اور قرار پایا کہ مرزائی قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں لہٰذا نکاح کالعدم ہے، مسماۃ عائشہ جہاں چاہے نکاح کی مجاز ہے۔''[مولانا سلطان محمود جلال پوری:۱۰۶]

عبدالرؤف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ہندو پاک کے مشہور عالم فاضل حضرت مولانا انور شاہ دیو بندی رحمہ اللہ۔''[نصرۃ الباری فی

بیان صحة البخاری :۹۹]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''حضرت العلام مولانا سید انور شاہ صاحب دیوبندی۔'' [نصرۃ الباری:۲۲۶]

پروفیسر عبداللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا انور شاہ کشمیری حنفی دیوبندی جو حنفیوں میں بہت محدث ہو کر گزرے ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے استاد رہے ہیں۔'' [رسائل بہاول پوری:۱۱۱]

بہاول پوری صاحب مزید لکھتے ہیں:

''مولانا انور شاہ کشمیری جیسے مسلم اور جلیل القدر علماء'' [رسائل بہاول پوری:۲۵۳]

محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب مرحوم کی خلافیات میں وسعتِ نظر معلوم ہے اور حنفیت کے ساتھ گہری ہمدردیاں بھی ڈھکی چھپی نہیں۔'' [رسول اکرم کا طریقہ نماز:۶۱]

قاضی محمد اسلم سیف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علامہ انور شاہ کشمیری کا حافظہ بڑا قوی تھا، وہ بلا کے ذہین و فطین تھے۔''

[تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں:۳۰۰]

محمد اسحاق بھٹی صاحب اپنے ایک بزرگ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''مذہبی اور دینی رہنماؤں میں سے مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا سید حسین احمد مدنی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی رحمہم اللہ وغیرہم بہت سے بزرگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ان گھر میں رہتا تھا۔'' [الاعتصام لاہور:۲۲ محرم ۱۴۱۳ھ:۱۴]

عبدالرشید عراقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ علمائے دیوبند کے سرخیل علماء میں شمار ہوتے ہیں، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں بسر ہوا۔ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ دارالعلوم ڈابھیل کے برسوں صدر مدرس رہے۔ علم و فضل کے اعتبار سے ان کا مرتبہ و مقام بہت بلند تھا، تصنیف و تالیف میں بھی صف اول کے علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ قوت حافظہ، تقویٰ و طہارت اور زہد و قناعت مثالی تھی، بقول مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا انور شاہ صاحبؒ اسلام کی حقانیت کی دلیل تھے، تمام علوم اسلامیہ میں ان کو کامل دستگاہ حاصل تھی... علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:''مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ ہماری تاریخ کے روشن چراغ تھے۔ جو اپنے علم و فضل، اخلاق و کردار اور خدا پرستی اور خدمت خلق کے حوالے سے انسانیت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔'' [مطبوعات القاسم

اکیڈمی نمبر:۲۷۹]

عتیق الرحمٰن غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب علم میں اور ذہانت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔پورے ہندوستان میں ان کا شہرہ تھا،اپنے پرائے سب آپ کے علم کے معترف تھے،بلا کی ذہانت رکھتے تھے جو کتاب ایک مرتبہ دیکھی پھر دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔'' [ہم اہل حدیث کیوں ہوئے؟:۳۸۰]

احمد رشید لاہوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علمائے دیوبند میں جو مقام و مرتبہ رکھتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔موصوف کی ساری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزری ہے کبار علمائے دیوبند موصوف کے تلامذہ میں ہیں جن میں مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ،مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ،مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا چراغ رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائقِ تذکرہ ہیں۔''

[ماہنامہ الاحیاء لاہور ۲۰۱۳ء:۴۴]

محمد تنزیل صدیقی غیر مقلد سندھ میں قائم ایک مدرسہ ''دارالرشاد'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''مدرسہ کے معائنہ کے لیے رفیع المرتبت علماء کو مدعو کیا جاتا جن میں مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا سید انور شاہ کشمیری،مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہم شامل ہیں'' [اصحاب علم وفضل:۳۶]

۵۳۱

[الف]

علی زئی صاحب کہتے ہیں جس کتاب پر مصنف کی طرف سے نظر ثانی نہ ہو،مصنف اس کتاب کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔[علمی مقالات:۴۶۳/۶] جب کہ العرف الشذی حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کی اپنی تصنیف بھی نہیں،تقریر کا مجموعہ ہے۔علی زئی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ حضرت شاہ صاحب سے اس کتاب پر نظر ثانی ثابت کرتے۔نظر ثانی ثابت کئے بغیر انہیں اپنے اصول کے مطابق اس کتاب کا حوالہ دینے کا حق نہیں تھا۔

[ب]

اگر کسی حدیث کے بارے میں کوئی اشکال سامنے آئے مثلا یہ کہ وہ حدیث بہ ظاہر کسی دوسری حدیث کے معارض ہے تو اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے/حدیثوں میں تطبیق دینے کے لیے فکر مند ہونا کوئی اعتراض کی چیز نہیں،مزید تفصیل جاننے کے لیے حضرت مولانا حافظ عبدالقدوس قارن صاحب دام ظلہ کی

کتاب ''تصویر بڑی صاف ہے سبھی جان گئے: ۲۰، ۲۱'' کو دیکھا جا سکتا ہے۔

ہاں غیر مقلدین کا طرزِ عمل قابلِ اعتراض ہے کہ انہیں جو حدیث اپنے مذہب یا اپنے ذوق کے خلاف نظر آئے فوراً اس پر ضعف کی چھاپ لگا کر کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔اس طرزِ عمل کو اختیار کرنے والوں میں البانی صاحب بھی شامل ہیں، انہوں نے بخاری و مسلم کی حدیثوں تک کو سلسلہ ضعیفہ و موضوعہ میں شامل کر دیا۔علی زئی صاحب بقلم خود لکھ چکے:

''شیخ البانی نے ابو قلابہ کی معنعن حدیث پر ہاتھ صاف کر لیا۔'' [علمی مقالات: ۳/ ۳۱۷]

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''فیض عالم صدیقی وغیرہ جب کسی ثقہ راوی کی صحیح حدیث اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کے خلاف پاتے ہیں تو جھٹ اسے شیعہ کہہ کر اس کی حدیث سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' [علمی مقالات: ۱/ ۹۳]

فیض عالم صدیقی کی غیر مقلدیت پر متعدد حوالہ جات ہم نے حاشیہ...میں درج کر دیئے ہیں۔

علی زئی صاحب کی زبانی ان کے اہلِ حدیثوں کا طرزِ عمل ہم پہلے بھی متعدد جگہوں پر نقل کر چکے کہ وہ غلط منہج پر چلتے ہوئے صحیح حدیثوں کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔انتھیٰ

میں تقریباً پچیس (۲۵) سال سے غیر مقلدیت کا مطالعہ کر رہا ہوں، ان کی ہزاروں کتب، رسائل اور جرائد کو دقتِ نظر سے پڑھا ہے۔کھلے منکرین حدیث کو چھوڑ کر حدیث ماننے کے دعوے داروں میں میری معلومات کے مطابق سب سے زیادہ حدیث کا مخالف، حدیث میں من مانیاں کرنے والا اور غلط اُصولوں کی بنیاد پر صحیح حدیثوں کو نا قابلِ عمل قرار دینے والا وغیرہ وغیرہ فرقہ غیر مقلدین کا ہے۔دنیائے غیر مقلدیت کے جس کسی سپوت کو میرے اس دعوے سے اختلاف ہے وہ گالی دینے، غصہ ہونے اور مجھے بُرا کہنے کی بجائے اپنے کسی معروف ماہ نامہ رسالہ میں میرے اس دعوی کو چیلنج کرے۔میں اس کے چیلنج کو قبول کر کے اس عنوان پر ایک ضخیم کتاب لکھوں گا، ان شاء اللہ۔سطح زمین پر بسنے والا ہے کوئی غیر مقلد جو مجھے مذکورہ دعوے پر چیلنج کرے؟ اب اکتوبر ۲۰۲۱ء ہے۔دیکھتے ہیں کہ غیر مقلدین کتنا جلدی چیلنج کر پاتے ہیں اور کس غیر مقلد میں چیلنج کرنے کا دَم خم ہے۔

۵۳۲

''العرف الشذی '' کتاب حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ترمذی پڑھانے کے دروس ہیں۔حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دروس کی اہمیت غیر مقلدین کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

علی زئی کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا انور شاہ مرحوم کے درسی نوٹ دو کتابوں کی شکل میں شائع ہوئے ہیں، یہ کتابیں بڑے

فخر ومباہات کے ساتھ مصر میں چھپوائی گئی ہیں، ان دونوں کتابوں کو دیکھ لیجیے تو ان کے درس کی حقیقت معلوم ہوجائے گی کہ مرحوم کس طرح اپنے مسائل کو معرفتِ تامہ کے ساتھ مدلل بیان کرتے ہیں۔‘‘

[فتاویٰ ثنائیہ:۱/۲۶۹]

امام خان نوشہروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’سلسلہ تحدیث دیوبند کے ثمرات کتب احادیث کی ان شروح کی صورت میں نمایاں ہوئے جو بعنوان’’العرف الشذی علی جامع الترمذی ازمولانا السید انور شاہ وبذل المجھود فی شرح ابی داود ازمولانا خلیل احمد سہارن پوری وفتح الملھم ازمولانا شبیر احمد عثمانی شائع ہوئیں، ان ثلاثیات کے سوا دیوبند کا لٹریچر حدیث اور بھی تو ہے [بے شک (ناقل)] اور یہ تمام فیضان جناب حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے پہنچا۔‘‘ [تراجم علمائے حدیث ہند:۳۶]

عتیق الرحمٰن صاحب غیر مقلد نے حضرت شاہ صاحب کے متعلق لکھا:

’’آپ کی قابلِ تذکرہ تصانیف میں سے **فیض الباری** افادات حضرت شاہ صاحب **وعرف الشذی** ہیں۔‘‘ [ہم اہل حدیث کیوں ہوئے؟:۳۸۰]

۵۳۳

جو شخص قرآن وسنت کا ماہر نہیں، اس کے لیے کسی ماہر کی پیروی میں قرآن وسنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ خود آلِ غیر مقلدیت کی کتابوں میں خاص کر مطلق تقلید کو واجب کہا گیا ہے۔ دیکھئے معیار الحق، تاریخ اہلِ حدیث، فتاویٰ ثنائیہ اور سوانح داود غزنوی وغیرہ۔ اگر قول امام حجت نہیں تو عامی شخص واجبی تقلید کیسے کرے گا؟

اگر لفظ ’’صرف‘‘ نگاہ میں ہے جس سے معترض یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ مقلد کے ہاں قرآن و حدیث پر عمل جائز نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ امام اگرچہ اسے قرآن وحدیث کا مسئلہ ہی بتائے گا مگر پھر بھی وہ امام کا مقلد کہلائے گا۔ میری بات نہیں مانتے تو اپنی جماعت میں وکیل اہلِ حدیث کا لقب پانے والے محمد حسین بٹالوی کی سن لیں۔ وہ لکھتے ہیں:

’’جو اس وقت کے بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب وسنت کا حکم پوچھ کر اس پر عمل کرنا تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے۔ یہ ایک لفظی نزاع ہے جس کو وہ اتباع کہتے ہیں، اس کا دوسرے علماء تقلید نام رکھتے ہیں کیونکہ تقلید بے دلیل بات مان لینے کا نام ہے اور عامیوں کے عمل واتباع میں یہی امر وقوع میں آتا ہے۔ عامی کو جو حکم کتاب وسنت کا علماء وقت سے معلوم ہوتا ہے اس کو وہ یوں ہی بے دلیل مان لیتے ہیں جو عرفاً تقلید کہلاتی ہے۔ کسی عامی کو اگر کوئی عالم یہ بھی کہہ دے کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث میں یوں آیا ہے تب بھی وہ اس قول کو بے

دلیل تسلیم کر لیتا ہے کیونکہ اس مسئلہ کی دلیل آیت یا حدیث کا اس کو علم حاصل نہیں ہوتا اور اگر کوئی عالم اس کو آیت قرآن یا حدیث پڑھ کر بھی سنا دے یا طوطے کی طرح یاد کرا دے تب بھی وہ آیت وحدیث کے معنی اور حدیث کی صحت تسلیم کرنے میں اس عالم کا مقلد کہلاتا ہے کیونکہ وہ کسی دلیل سے نہیں جانتا کہ آیت یا حدیث کے وہ معنی جو اِس عالم نے اس کو بتائے ہیں کیونکر صحیح ہیں اور اس حدیث کی صحت کیونکر ثابت ہے۔ لہٰذا اس کی یہ تسلیم بلا دلیل تسلیم ہے جو تقلید کہلاتی ہے گو اس کو کوئی تقلید نہ کہے، اتباع نام رکھے۔''

[اشاعۃ السنۃ: ۳۲۰/۱۱]

۵۳۴

بڑے بڑے ائمہ اور علماء مثلا امام شافعی رحمہ اللہ [کتاب الام: ۳/۱۷...۶/۱۰۱...۷/۹۹]، امام طحاوی رحمہ اللہ [شرح معانی الاثار: ۲/۲۲۳] اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ [مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ: ۱۹۶۱] اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ [الکافی فی فقہ اھل المدینۃ، کتاب النکاح باب العقود] وغیرہ اپنے مقلد ہونے کا اقرار کر چکے ہیں۔ دیکھئے حاشیہ: ۳۵...۴۳۔

آلِ غیر مقلدیت میں ''وکیل اہلِ حدیث'' شمار ہونے والے مصنف محمد حسین بٹالوی بھی اعلان کر چکے ہیں کہ جہاں نص نہ ملے ہم اہلِ حدیث وہاں امام ابوحنیفہ اور فقہائے احناف کی تقلید کرتے ہیں۔ [اشاعۃ السنۃ: ۲۲/۳۱۰...۲۳/۲۹۱] جیسا کہ ہم نے اپنی اسی کتاب میں لفظ بہ لفظ عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ لہٰذا اپنے مقلد ہونے کا اعتراف یا دعوی کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اگر کسی غیر مقلد کو اعتراض کا شوق چرائے تو وہ پہلے اپنے گھر کی خبر لے۔

۵۳۵

اس کے متعلق اوپر حاشیہ ۵۳۳/میں بحث ہو چکی ہے۔

۵۳۶

یہ کہنا کہ ''ادلہ اربعہ سے استدلال کرنا وظیفۂ مجتہد ہے۔'' کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ معرفت دلیل خاصۂ مجتہد ہے۔ ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں۔ اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے۔'' [فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۲۶۳] مزید دیکھئے حاشیہ: ۵۳۷

۵۳۷

علی زئی صاحب نے متن میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی کی کتاب ''ارشاد القاری''

کی عبارت نقل کی کہ ''ادلہ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفۂ مجتہد ہے۔''

ارشاد القاری کی عبارت کے پیشِ نظر ''رجوع الی الحدیث'' کا مطلب حدیث سے استدلال کرنا ہے ۔مطلب یہ ہے کہ حدیث سے استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے، مقلد تو مجتہد کے حدیث سے استدلال کردہ مسئلہ کی پیروی کرے گا۔اپنی جماعت کوانگریز سے اہلِ حدیث کا نام الاٹ کراکے دینے والے بزرگ محمد حسین بٹالوی نے عوام کو براہ راست حدیث سے رجوع کی بجائے کوعلماء سے رجوع کا درس دیا ہے، پڑھئے:

''علماء کو یہ لائق نہیں کہ ہرایک حدیث خصوصا احادیث طبقہ رابعہ سے بلاتحقیق صحت تمسک کریں اور نہ عوام کو یہ زیبا ہے کہ جوحدیث کسی کی زبان سے سن لیں یا تراجم کتب حدیث میں دیکھ لیں اس سے بلا تحقیق صحت ومراجعت علماء وقت سے لپٹ جایا کریں اوراتنی ہی بساط پراہلِ حدیث کہلائیں اور مطلق تقلید کو بالفاظ قحبہ زال نقالی وغیرہ وغیرہ صلوٰتیں سنائیں اور مقلدین مذاہب مجتہدین کو برائی سے یاد کریں۔ایسے اندھا دھند حدیثوں پرعمل کرنے والے محققوں اور مقلدین مذاہب مشہورہ میں کوئی سرموفرق نہیں ہے۔ہاں یہ فرق ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین مسلم الاجتہاد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مجتہدین کے مقلد۔''

[اشاعۃ السنۃ:۱۱/۲۹۸ بحوالہ تجلیات صفدر:۳/۵۲۶]

بٹالوی صاحب نے حدیث کو لپٹ جانے کی بجائے عوام کو علماء کا دروازہ دکھایا بالفاظ دیگر حدیث کی طرف رجوع کی بجائے علماء سے رجوع کرنے پہ اُبھارا۔ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''لوگوں نے نماز حدیث سے نہیں بلکہ محدثین سے اسی طرح سیکھی ہے جیسے انہوں نے محدثین کو پڑھتے دیکھا اوراگرکوئی شخص حدیث سے مسئلہ مستنبط کرتا ہےتو اسے دیکھا جائے گا۔اگرامت کے عمل کے مطابق ہوتو ٹھیک ورنہ رَد کردیا جائے گا۔'' [رسائل بہاولپوری:۸۵۳]

پروفیسر کی اس عبارت کے پیشِ نظر بتایا جائے کہ لوگوں نے نماز حدیث سے سیکھنے کی بجائے محدثین سے کیوں سیکھی؟ حدیث حجت ہے یا محدثین کا قول وعمل؟ علی زئی سوچ کے مطابق اگرکوئی کہہ دے کہ لوگوں رغیرمقلدین کے نزدیک قرآن حدیث حجت نہیں بلکہ صرف اکابر رمحدثین کا قول وعمل حجت ہےتو؟؟؟

۵۳۸

محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عامی بے چارے کا کوئی مذہب ہی نہیں وہ توان علماء کا مقلد ہے جن کوتقلید سے حکما روکا گیا

ہے۔" [تحریک آزادی فکر: ۲۴۵]

عامی لوگ مدعیان اہلِ حدیث میں کثرت سے پائے جاتے ہیں مذکورہ عبارت کے پیشِ نظر بتائیے! اہلِ حدیث ہونے کے دعوے دار عامی کے لیے عالم کا قول آخری دلیل ہے یا پہلی؟

اگر آپ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ چونکہ مقلد کے لیے آخری دلیل قول امام ہے لہٰذا وہ قرآن وسنت پر عمل نہیں کرتا تو عرض ہے کہ امام بھی قرآن وسنت پہ چلاتا ہے۔ مزید یہ کہ محمد حسین بٹالوی کی تصریح اوپر حاشیہ: ۵۳۳/ میں گزر چکی ہے کہ اگر عامی کو عالم قرآن وحدیث سنادے بلکہ طوطے کی طرح رٹا بھی دے تو بھی وہ عالم کا مقلد کہلاتا ہے۔ اب بتائیں عامی کے لیے عالم کا قول آخری دلیل ہے یا پہلی؟

حاشیہ: ۵۳۷/ میں پروفیسر عبداللہ بہاول پوری کا حوالہ منقول ہے کہ لوگوں نے نماز حدیث سے نہیں، محدثین سے سیکھی ہے تو بتائیے! محدثین کا قول آخری دلیل ہے یا پہلی؟

ہماری اس کتاب میں تقلید کی حمایت، ثبوت، جواز بلکہ وجوب پر اہلِ حدیث کہلوانے والوں کے کثرت سے حوالہ جات موجود ہیں۔ بتائیے! تقلیدی اہلِ حدیث مجتہد کے قول کو آخری دلیل مانتے ہیں یا پہلی؟

حاشیہ: ۵۴۲/ میں غیر مقلدین کی زبانی مذکور ہے کہ مسئلہ تقلید میں ائمہ کے مقلدین اور اہلِ حدیث کے درمیان اتفاق ہے۔ اس لیے اہلِ حدیث ہونے کے دعوے دار بتائیں کہ ان کے لیے عالم کا قول آخری دلیل نہیں؟ جب کہ دونوں کا تقلید کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

ابوالاشبال شاغف غیر مقلد لکھتے ہیں:

" آج کل جماعت اہلِ حدیث کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو چکی ہے جو ناصر الدین البانی کی تقلید کو واجب سمجھتے ہیں اور جو کچھ ناصر الدین البانی نے لکھ دیا ان کے نزدیک حرف آخر کی حیثیت سے من وعن قبول ہے۔" [مقالات شاغف: ۲۶۶]

" حرف آخر" الفاظ پہ نگاہ جمائیں، پھر بتائیں کہ اہلِ حدیث کھیپ کے نزدیک البانی کا قول آخری دلیل ہے یا نہیں؟ کاش کہ علی زئی اہلِ سنت پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے فرقہ کی کتابوں کو پڑھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ ان کے اعتراضات کی زد میں خود اپنے آتے ہیں۔

۵۳۹

علی زئی صاحب اپنی مزعومہ بہت سی مثالیں بیان کرتے تو ہمیں کچھ کہنے کا موقع ملتا۔ ان مثالوں کو علی زئی صاحب تو درج نہیں کر سکے، اب کوئی غیر مقلد انہیں تحریر کی دنیا میں لے آئے۔ ہم ان پہ غور وفکر کریں گے، اِن شاءاللہ۔

۵۴۰ علی زئی صاحب کی تحریر میں ائمہ کے مقلدین کو اہلِ بدعت کہنا ایک الزام ہے۔ خود آلِ

غیر مقلدیت نے ائمہ اربعہ کے مقلدین کو بارہا اہل سنت تسلیم کیا۔ چند نقول پیشِ خدمت ہیں۔
محمد جونا گڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ملک ہند کے سنی مسلمانوں کے دو بڑے بڑے فریق یعنی حنفی اور اہلِ حدیث تو متفق ہو جائیں جو اُصولاً قریب قریب ہیں، ہاں البتہ بعض فروعات میں اختلاف ہے۔''

[دلائل محمدی: ۲ بحوالہ المھندی الدیوبندی: ۵۳]

جونا گڑھی نے اس عبارت میں حنفیوں کو ''سنی'' تسلیم کیا ہے۔
غیر مقلدین کے امام وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''رہا اہلِ سنت کا باہمی اختلاف جیسے اہلِ حدیث اور مقلدین مذاہب اربعہ وغیرہ یہ ضرر نہیں کرتا کیونکہ یہ سب ایک جماعت ہے اور ان کا اختلاف مثل عدم اختلاف کے ہے کیونکہ اصول سب کے ایک ہیں... [رفع العجاجۃ: ۴۰۲/۳]

علی زئی کے استاد اور ان کے شیخ الاسلام محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

''برادران اسلام پر مخفی نہیں کہ ہندوستان کے اکثر حصے میں اہل سنت کے دو گروہ: ایک اہلِ حدیث اور ایک حنفیہ۔'' [الاصلاح: ۱۳۱]

نجم المجید صاحب [ڈائرکٹر مسلم پبلی کیشنز سوہدرہ گوجرانوالہ] گوندلوی صاحب کے ایک رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس نفیس علمی بحث اور تحقیقی مقالہ میں فاضل مضمون نگار نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ حنفی اور اہلِ حدیث دراصل ایک ہی ہیں اور دونوں اہل السنّت والجماعت میں شامل ہیں۔ یہ محض فروعی اور لفظی نزاع ہے جو فریقین میں پیدا ہو گئی ہے۔'' [حنفی اور اہلِ حدیث: ۱]

عبد المجید سوہدری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''دیوبندی دراصل سیدنا امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، یہ کوئی الگ اور نیا مسلک نہیں ہے۔ دیوبند شہر (انڈیا) میں اب بھی مدرسہ ہے، جو طلباء وہاں سے فارغ ہوتے ہیں وہ فاضل کہلاتے ہیں، جو لوگ دیوبند علماء کرام سے تعلق رکھتے ہیں، دیوبندی کہلاتے ہیں، یہ فرقہ خود کو سنی کہلاتا ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے۔'' [فتاویٰ علمائے حدیث: ۲۴۵/۲]

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

''عجم کے سنی المذاہب چونکہ عموماً حنفی تھے، اس لیے مذاہب اہل سنت میں صرف حنفی ہی یہاں رائج ہوا۔'' [الحیات بعد الممات: ۵۸۳]

عبدالرحمٰن خلیق (خطیب جامع مسجد رحمانیہ نارووال) لکھتے ہیں:

''تقریبات کے یہ انداز دنیا بھر کے سارے ہی اہل سنت مسلمانوں حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں، حنبلیوں...کے نزدیک غیر شرعی اور خلاف اسلام ہیں۔''

[ہفت روزہ تنظیم اہلِ حدیث لاہور ۲۴ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ:۷]

غیر مقلدین کے امام وحید الزمان صاحب نے بھی مذاہب اربعہ کے مقلدین کو اہلِ سنت قرار دیا ہے جیسا کہ رفع العجاجة:[۴۰۲/۳] کے حوالہ سے آگے حاشیہ:۵۴۲ میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

ہم اپنی اسی کتاب میں غیر مقلدین کے مزید حوالے پہلے نقل کر آئے جن میں مقلدین ائمہ بالخصوص احناف دیوبند کو اہلِ سنت تسلیم کیا ہے۔

۵۴۱

علی زئی صاحب نے ''اہلِ بدعت غالی مقلدین'' کہا۔ جب کہ ان کے ہاں غالی کا لفظ گالی ہے مگر وہ اسے دوسروں کے بارے میں لکھتے ہوئے عار محسوس نہیں کرتے۔ علی زئی کا ائمہ کے مقلدین/مذاہب اربعہ والوں کو بدعتی کہنا اک ایسا دعوی ہے جس پر وہ ثبوت پیش نہیں کر سکے۔ اس کے برعکس غیر مقلدین کے بدعتی ہونے پر خود ان کے اپنوں کی گواہیاں موجود ہیں جنہیں پچھلے صفحات میں باحوالہ نقل کر دیا ہے۔ کچھ مزید یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بعض اہلِ حدیث علماء بھی میت والے گھر تیسرے دن اجتماعی دعا کروانے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں کیونکہ بقول ان کے ورنہ لوگ قل شریف کا ختم شریف دلوانے کے لیے بریلویوں کو بلا لیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ختم کے سر پر سینگ ہوتے ہیں ختم خواں حضرات بھی تو قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں اور دعا ہی مانگتے ہیں۔ رسم تیجہ کو بدعت بنانے والی شئی قل شریف نہیں بلکہ دن کا تعین ہے۔ افسوس کہ اس بدعت میں حنفی [مراد بریلوی ہیں غیر مقلدین انہیں بھی حنفی کہا کرتے ہیں۔ (ناقل)] اور مصلحت اندیش اہلِ حدیث دونوں متحد ہو گئے۔'' [تعویذ اور دم:۳۹]

امام آل غیر مقلدیت وحید الزمان لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی باتوں میں جن کی ضرورت ہو ان پر بیعت لینا درست ہے چنانچہ حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم (ناقل)] نے ان باتوں کی بیعت حضرت عثمانؓ سے لی، اب جو بیعت کو بدعت کہے وہ اہلِ بدعت ہے۔'' [رفع العجاجة عن سنن ابن ماجة:۱۹۴/۱]

غزنوی ولکھوی خاندان وغیرہ کے علاوہ عموما غیر مقلدین بیعت کو بدعت کہتے ہیں۔ خود علی زئی سے بھی اسے

غیر ثابت کہتے ہیں:

''اسلام میں صرف دو ہی بیعتیں ہیں (نبی کی بیعت) (۲) خلیفہ کی بیعت۔ان کے علاوہ تیسری کسی بیعت کا دین اسلام میں کوئی نام ونشان نہیں۔''[توضیح الاحکام:۱/۱۷۵]

بیعت تصوف کو بدعت کہنے والے مدعیان اہلِ حدیث اپنے''امام''وحید الزمان کی تصریح کے مطابق بدعتی ہیں۔

وحید الزمان لکھتے ہیں:

''میں سچ کہتا ہوں کہ میری عمر ۴۳/سال کو پہنچی تو آج تک میں نے کوشش کی دو صفتیں مجھ سے دُور جاویں۔ایک جلد بازی، دوسرے غصہ لیکن اب تک کامیابی نہیں ہوئی۔اللہ ہی سے امید ہے کہ وہ ان بدعاتوں کو دُور کردیوے۔''[رفع العجاجة :۱/۳۹۶]

وحید الزمان نے کفن کے کپڑوں پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

''جن مشائخ نے عمامہ کو مستحب جانا انہوں نے غلطی کی، عمامہ بدعت ہے جس سے احتراز کرنا چاہیے۔''[:رفع العجاجة:۱/۴۳۲]

یہ معلوم رہے کہ عبد المنان وزیر آبادی غیر مقلد کو میاں نذیر حسین دہلوی کے عمامہ میں کفایا گیا۔عنایت اللہ اثری وزیر آبادی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مرحوم ومغفور کا کفن میں نے سیا اور مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا عمامہ بھی میں نے اس کے ہمراہ سی دیا کہ وہ اسی غرض سے مجھے دیا گیا تھا''[الجسر البليغ:۱۴ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم]

عبد الاحد خان پوری غیر مقلد نے ایک کتاب''كتاب التوحيد و السنة فی رد اهل الحاد و البدعة''لکھی۔یہ کتاب غیر مقلدین کے ثنائی فرقے کے خلاف ہے۔اسی فرقہ کو اہلِ الحاد اور اہلِ بدعت قرار دیا جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔

غیر مقلدین کا ایک گروہ نماز کے قومہ میں ہاتھ باندھنے کا عامل ہے جب کہ پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد اور البانی غیر مقلد کی تصریح کے مطابق یہ بدعت ضلالہ ہے۔چنانچہ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''حقیقت یہی ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا صدیوں تک کوئی نام ونشان تک نہیں تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار پانچ سو سال بعد جا کر کسی نے یہ قیاس لڑایا ہے جس سے یہ فتنہ کھڑا ہوا ہے۔''[رسائل بہاول پوری:۷۸۹]

پروفیسر صاحب مزید لکھتے ہیں:

''قیام ثانی[قومہ کی حالت (ناقل)] میں وضع کی دلیل نہ ملنے کے باعث علامہ ناصر الدین البانی

حفظہ اللہ نے فرمایا الوضع فی القیام الثانی بدعة ضلالة کہ قیام ثانی میں ہاتھ باندھنا گمراہ کن بدعت ہے۔" [رسائل بہاول پوری: ۸۴۳]

پروفیسر صاحب ہاتھ باندھنے والوں کے متعلق آگے لکھتے ہیں:

"ان کی تعداد اس بدعت والے دَور میں ضرور بڑھ رہی ہے لیکن اگر آپ ماضی کی طرف دیکھیں تو آہستہ آہستہ ان کی تعداد کم ہوتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ خیر القرون میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو وضع کا قائل ہو۔" [رسائل بہاول پوری: ۸۵۴]

البانی صاحب لکھتے ہیں:

"مجھے اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کہ رکوع کے بعد والے اس قیام میں دونوں ہاتھوں کا سینے پر باندھنا گمراہ کن بدعت ہے، کیونکہ نماز سے متعلق احادیث کی کثرت کے باوجود اس بات کا کسی حدیث میں ذکر نہیں اور اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو کسی ایک ہی روایت میں سہی اس کا ذکر ضرور ہوتا، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ میرے علم کی حد تک علماء سلف میں سے کوئی بھی اس پر عمل پیرا نہیں، اور نہ ہی ائمہ حدیث میں سے کسی نے اسے ذکر ہی کیا ہے" [صفۃ صلوۃ النبی مترجم: ۲۰۳، ترجمہ عبد الباری]

عبد الباری غیر مقلد نے صفۃ صلوۃ النبی کے دو مسئلوں کے علاوہ باقی پوری کتاب سے اتفاق ظاہر کیا ہے۔ [مقدمہ صفۃ صلوۃ النبی: ۲۷] قومہ میں ہاتھ باندھنے کو بدعت قرار دینا ان دو مسئلوں میں سے نہیں ہے۔ گویا عبد الباری کے نزدیک بھی یہ بدعت ہوا۔

یہ بھی معلوم رہے کہ کسی دَور میں علی زئی صاحب بھی قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے کے قائل تھے۔ بعد میں اگرچہ اس سے رجوع کر لیا مگر اسے جائز تو سمجھتے رہے ہیں۔ [علمی مقالات: ۴۸۸/۱، ۴۹۶]

۵٤۲

[الف]

علی زئی کے خلاف ان کی اپنی گواہی سے زیادہ معتبر بات کیا ہو سکتی ہے۔ وہ خود لکھ چکے کہ دیوبندیوں کے نزدیک قرآن وحدیث شرعی دلیلیں یعنی حجت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

"دیوبند کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں: ۱: قرآن مجید ۲: احادیثِ (صحیحہ مرفوعہ) ۳: اجماع امت اجماع مجتہدین ۴: اجتہاد" [علمی مقالات: ۴۶۲/۶]

[ب]

اگر یہ بات تسلیم کر لیں کہ مقلدین کے ہاں امام کا ہی قول معتبر ہے تو عرض ہے کہ بہ اعتراف آلِ غیر مقلدیت ائمہ کے مذاہب قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں، یہ مذاہب حق ہیں اور یہ ندیوں/نہروں کی مانند

ہیں ان میں پانی چشمہ محمدی/ دریائے محمدی سے آتا ہے۔ اس لیے مقلد اپنے امام کے واسطہ سے چشمہ محمدی/ دریائے محمدی سے ہی فیض یاب ہوتا ہے۔

عبد الجبار غزنوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’مذاہبِ اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس میں اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرام میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔‘‘ [اثبات الالہام و البیعۃ:۴]

محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

’’مذاہب اربعہ ان مجموعہ مسائل کا نام ہے جو کتاب اللہ، حدیث رسول، اجماع و قیاس سے ماخوذ ہیں۔‘‘ [اشاعۃ السنۃ: ۲۲/ ۲۷۶]

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان لکھتے ہیں:

’’جیسے قرآن شریف میں مختلف قراءتیں ہیں ویسے ہی نماز، روزے، نکاح وطلاق، بیع وشراء مسائل قیاسیہ فرعیہ میں صحابہ اور تابعین اور ائمہ اربعہ مجتہدین کے اختلافات ہیں ان میں سے جس کے قول یا مذہب پر کوئی چلے اس سے لڑنا جھگڑنا منع ہے۔‘‘ [تیسیر الباری شرح بخاری: ۴/ ۵۲۷ طبع تاج کمپنی]

وحید الزمان صاحب نے ائمہ اربعہ کے اختلاف کو قرآن کی مختلف قراءتوں کے مانند کہہ کر تسلیم کر لیا کہ یہ مذاہب حق ہیں، ان میں سے جس کسی امام کے مذہب پر چلا جائے درست ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں ’’صاحب کرامت‘‘ سمجھے جانے والے بزرگ غلام رسول غیر مقلد نے مذاہبِ اربعہ کی مثال بیان کرتے ہوئے کہا:

’’مثال اس کی یوں ہے کہ جیسے ایک تالاب سے چار نالیاں پانی کی بہتی ہیں۔ سو کوئی شخص خواہ کسی نالی کا پانی پیوے وہ تالاب ہی کا پانی ہوگا۔ اور اگر کوئی شک والی طبیعت والا براہ راست تالاب سے ہی جا کر پئے تو وہ بھی اُسی تالاب ہی کا پانی ہے۔‘‘ [سوانح حضرت العلام مولانا غلام رسول: ۷۰]

محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’یہ مسلمہ ہے کہ ائمہ اربعہ حق پر ہیں۔ یہ چاروں نہریں ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ یہ پانی ایک ہی منبع سے تقسیم ہوا ہے اور منبع کی طہارت پر پوری امت کا اتفاق ہے میزان شعرانی ملاحظہ فرمایئے۔‘‘
[تحریک آزادی فکر: ۳۰۳]

سلفی صاحب نے میزان شعرانی ملاحظہ فرمانے کا کہا، اس لیے غیر مقلدین کی ضیافت کے لیے میزان شعرانی کی عبارت یہاں درج کر دیتے ہیں۔ شعرانی صاحب فرماتے ہیں:

’’جب باری تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ مجھ کو شریعت کے سرچشمہ پر آگاہ کر دیا تو میں نے

تمام مذاہب کو دیکھا کہ وہ اسی سرچشمہ سے متصل ہیں اور ان تمام میں سے ائمہ اربعہ کے مذاہب کی نہریں خوب جاری ہیں...اور ائمہ اربعہ میں سب سے زیادہ لمبی نہر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دیکھی... پس جس طرح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی ہے، اس طرح وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا۔اور اہلِ کشف کا بھی یہی مقولہ ہے۔'' [المیزان الکبریٰ اردو: ۱/۱۰۷]

شعرانی صاحب کا تذکرہ آیا ہے تو ان کا مقام و مرتبہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔غیر مقلدین کے ہاں ''امام العصر'' کا لقب پانے والے بزرگ میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بعد ازاں شیخ عبدالوہاب شعرانی شافعیؒ کے مرقد منور کی زیارت کی اور نماز مغرب ان کی مسجد میں ادا کی۔اس گنہگار کو سب بزرگان دین کی طرح ان سے بھی کمال حسن عقیدت ہے اور میں نے ان کی کتب سے سلوک و فروع کے متعلق بہت فیض حاصل کیا۔'' [حاشیہ تاریخ اہلِ حدیث: ۱۳۶]

میر صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''امام عبدالوہاب شعرانیؒ مصر کے اولیاء اللہ سے تھے...مجھ نابکار کو اُن سے بہت عقیدت ہے۔ ۱۳۳۰ھ کے سفر حج کے ضمن میں مصر، حیفا، یافہ، بیت المقدس اور دمشق کا سفر کیا۔اس میں مصر میں ان کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی اور ان کے مزار مقدس پر فاتحہ پڑھی۔آپ شافعی تھے لیکن بہت متادب تھے۔آپ کثیر التصانیف ہیں رحمہ اللہ۔'' [حاشیہ تاریخ اہلِ حدیث: ۱۴۲]

میر صاحب نے شعرانی صاحب کے متعلق مزید لکھا:

''شیخ عبدالوہاب شعرانی...آپ دسویں صدی کے مصری مشائخ طریقت میں سے ہیں۔شافعی المذہب تھے۔شریعت و طریقت ہر دو کے جامع تھے۔صاحب کرامت تھے۔ائمہ دین اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔بالخصوص امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا بہت ادب کرتے تھے۔ان کے حق میں بے ادبی کرنے والے کو بہت بُرا جانتے تھے۔بلکہ اگر ایسے گستاخوں پر کوئی بلا نازل ہو تو ان کی عیادت بھی نہیں کرتے تھے۔ اختلافات ائمہ میں ان کی روش معتدل ہے۔جہاں تک ہو سکے ان کے اقوال کی توجیہ بیان کر کے ان کے اختلافات کو جمع کرتے ہیں۔اس امر میں ان کی کتاب میزان کبریٰ مشہور ہے۔الحمد للہ اس فقیر کے پاس موجود ہے۔صاحب تصانیف تھے۔ان کی سب تصانیف مفید اور مقبولِ علماء ہیں۔مجھ زلہ ربائے کو اُن سے کمال عقیدت ہے۔'' [حاشیہ تاریخ اہلِ حدیث: ۴۳۷]

[ج]

مطلق تقلید اہلِ حدیث کہلوانے والوں کا مذہب رہا، حوالہ جات ہماری اسی کتاب میں پہلے منقول ہو چکے ہیں۔بلکہ بعض مدعیان اہلِ حدیث نے تو برملا اعلان کیا کہ تقلید کے حوالے سے ائمہ کے مقلدین اور

اہلِ حدیث میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں تقلید کو مانتے ہیں۔ اب اگر علی زئی کے دعوی کو مان لیا جائے کہ مقلدین کے ہاں قرآن و حدیث حجت نہیں، صرف اکابر و امام کا قول و عمل حجت ہے تو یہی اعتراض مدعیان اہلِ حدیث پر بھی لوٹے گا۔

محمد حسین بٹالوی صاحب کی عبارت اوپر گزر چکی جس میں درج ذیل الفاظ بھی ہیں:

''ایسے اندھا دھند حدیثوں پر عمل کرنے والے محققوں [بٹالوی صاحب کی مراد اہلِ حدیث ہیں (ناقل)] اور مقلدین مذاہب مشہورہ میں کوئی سر مو فرق نہیں ہے۔ ہاں یہ فرق ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین مسلم الاجتہاد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مجتہدین کے مقلد'' [اشاعۃ السنۃ: ۲۹۸/۱۱، بحوالہ تجلیات صفدر: ۵۲۶/۳]

غیر مقلدین کے امام وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''رہا اہلِ سنت کا باہمی اختلاف جیسے اہلِ حدیث اور مقلدین مذاہب اربعہ وغیرہ یہ ضرر نہیں کرتا کیونکہ یہ سب ایک جماعت ہے اور ان کا اختلاف مثل عدم اختلاف کے ہے کیونکہ اصول سب کے ایک ہیں...'' [رفع العجاجۃ: ۴۰۲/۳]

حاشیہ: ۵۴۰ میں نجم المجید صاحب کی تحریر منقول ہے جس میں احناف اور اہلِ حدیث کے اختلاف کے بارے میں لکھا:

''یہ محض فروعی اور لفظی نزاع ہے جو فریقین میں پیدا ہو گئی ہے۔'' [حنفی اور اہلِ حدیث: ۱]

ایک غیر مقلد نے محمد گوندلوی کی کتاب ''الاصلاح'' کا تعارف کراتے ہوئے لکھا:

''اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ اہلِ حدیث اور محققین حنفیہ کا اس میں جو اختلاف ہے وہ صرف اور صرف فہم کا اختلاف ہے۔'' [الاصلاح: ۱۱۴]

خود گوندلوی صاحب نے اہلِ حدیث اور حنفیہ کے بارے میں لکھا:

''ان دونوں میں نہ کوئی اصولی اختلاف ہے اور نہ فروعی بلکہ صرف فہم کا اختلاف ہے۔'' [الاصلاح: ۱۳۱]

گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

''مسئلہ تقلید میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں محض اختلاف فہم ہے۔'' [الاصلاح: ۱۳۴]

گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

''جس تقلید کو حنفیہ واجب کہتے ہیں اس کے ادلہ کو اگر دیکھا جائے تو ایسی تقلید سے اہلِ حدیث کو بھی مفر نہیں۔'' [الاصلاح: ۱۵۸]

جب گوندلوی صاحب نے ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا کہ اہلِ حدیث اور مقلدین مذاہب اربعہ کا

تقلید کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، دونوں تقلید کے نہ صرف جواز بلکہ وجوب پر متفق ہیں تو انصاف علی زئی کے دروازہ پر دستک دیتا ہے کہ وہ ائمہ کے مقلدین پر طعن کرنے کی طرح گوندلوی صاحب کے بارے میں کہہ دیتے کہ ان کے ہاں قرآن وحدیث حجت نہیں بلکہ اپنے خودساختہ اکابر کا قول وعمل حجت ہے مگر افسوس علی زئی اس طرح کہنے کی بجائے ان کے لیے تعظیم وتوثیق اور مدح سراہی کے یوں ڈونگرے برساتے ہیں:

''شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام، الثقۃ، المتقن، الحجۃ، المحدث، الفقیہ، الاصولی محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ.'' [فاتحہ خلف الامام:۱۱]

[د]

ہم نے اپنی اسی کتاب میں جگہ جگہ غیر مقلدین کی عبارتیں نقل کر دی ہیں جن میں یہ اعتراف موجود ہے کہ ان کے اہلِ حدیث ثناء اللہ امرتسری وغیرہ حدیث کے خلاف امتیوں کی تقلید کیا کرتے ہیں۔ یہ اعتراف بھی نقل کر دیا ہے کہ اہلِ حدیث اپنے مزعومہ امام کو شارع اور مثل معصوم سمجھتے ہیں اور یہ حوالہ بھی منقول ہے کہ اہلِ حدیث اپنے بزرگ البانی کی بات کو حرف آخر قرار دے کر تقلید کرتے ہیں اور ایسی تقلید کرنے والے اہلِ حدیثوں کی ایک مستقل کھیپ تیار ہو چکی ہے۔...اس لیے اگر علی زئی کی عبارت ''مقلدین کے نزدیک قرآن وحدیث حجت نہیں بلکہ اپنے خودساختہ ''امام'' واکابر (!!) کا قول وعمل ہی حجت ہے۔'' میں مقلدین سے مراد اہلِ حدیث لئے جائیں تو بجا رہے گا اور یہ ''حق بہ حق دار رسید'' کا مصداق ہوگا۔

[ہ]

غیر مقلدین کے ہاں شیخ الکل فی الکل کا لقب پانے والے بزرگ میاں نذیر حسین دہلوی کے حالات میں لکھا ہے:

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رحیم آباد سے میاں صاحب گاڑی پر ریلوے اسٹیشن دینی آرہے تھے اور مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب علیہ الرحمہ آروی ہمراہ تھے۔ رستہ میں مولانا مرحوم نے میاں صاحب سے لباس مستورات کی نسبت پوچھا، ساری (ساڑھی) پہننا عورتوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ میاں صاحب نے جواب دیا: ہمارے حضرات جائز کہتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے عرض کیا: حضرات کا کہنا حجت شرعی تو ہو نہیں سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا؟ تمہارے نزدیک یہ سب حضرات گھس کٹے تھے، تمہی ایک شیخ چلی پیدا ہوئے؟'' [الحیات بعد الممات:۳۰۳]

یہ بھی معلوم رہے کہ میاں صاحب غیر مقلدین کے ہاں ''ہیرو'' شمار ہوتے ہیں۔ غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

’’ہمارے ہیرو کا نام ہے سید محمد نذیر حسین۔‘‘[الحیات بعد الممات:۲]

’’ہمارے ہیرو کو خود بھی میاں صاحب ہی کا لقب پسند تھا۔‘‘[الحیات بعد الممات:۴]

’’ہمارے ہیرو میں بھی یہ سب باتیں جمع ہوگئی تھیں۔‘‘[الحیات بعد الممات:۴]

۱: مذکورہ عبارت پر تبصرہ کے حوالے سے پہلی بات یہ ہے کہ میاں صاحب کی طرح کوئی شخص غیر مقلدین سے کہہ دے کہ کیا؟ تمہارے نزدیک ائمہ اربعہ حضرات گھس کٹے تھے، تمہی ایک شیخ چلی پیدا ہوئے؟‘‘ تو کیسا رہے گا؟ اگر غیر مقلدین کے ’’حضرات‘‘ گھس کٹے نہیں تھے تو ائمہ اربعہ بھی گھس کٹے نہیں ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ غیر مقلدین اپنے ’’حضرات‘‘ کے قول پر فتویٰ دیں تو عامل بالحدیث کہلائیں اور جو سنی ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا قول قبول کرے تو اسے قرآن وحدیث کا مخالف کہا جائے۔

۲: یہیں سے غیر مقلدین کے اس دعوی کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہم اہلِ حدیث کا فتویٰ و عمل اقوال امت کی بجائے قرآن وحدیث پر ہوتا ہے۔

۳: غیر مقلدین کے ’’ہیرو‘‘ میاں صاحب نے دلیل [قرآن وحدیث] طلب کرنے پر سائل کو جھڑک دیا اور حضرات کے قول کو کافی سمجھا۔ کیا ان کے متعلق کہیں گے کہ ان کے نزدیک قرآن وحدیث کے بجائے اپنے خود ساختہ اکابر کا قول وعمل حجت ہے؟؟

پروفیسر عبداللہ بہاول پوری غیر مقلد کہتے ہیں:

’’اب اہلِ حدیثوں میں شخصیت پرستی ہے اور اصول پرستی بالکل نہیں۔‘‘[خطبات بہاول پوری:۱/۲۵۶]

اس عبارت کو پیشِ نظر رکھ کر بتائیں مدعیان اہلِ حدیث قرآن وحدیث کے متبع ہیں یا اکابر پرست؟

آخر میں ایک حوالہ مزید ملاحظہ فرمالیں جس سے غیر مقلدین کے دعویٰ ’’عمل بالحدیث‘‘ کی حقیقت سامنے آ سکے گی۔ پروفیسر عبداللہ بہاول پوری کہتے ہیں:

’’ہم قرآن وحدیث کو صرف آمین، رفع الیدین یا علم غیب، مختارکل دو چار مسئلے بریلویوں سے رگڑے کے ہیں اور دو چار مسئلے دیو بندیوں سے رگڑے کے ہیں اور دو چار مسئلے اپنے کام کے ہیں۔ باقی قرآن وحدیث بالکل ردی کی ٹوکری میں رکھنے کے لائق۔ ہم اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔‘‘

[خطبات بہاول پوری: طبع جدید:۱/۲۵۴ خطبہ:۱۰، طبع قدیم:۲۱۳]

کس قدر حیرت وافسوس کی بات ہے کہ قرآن وحدیث کو معاذ اللہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے والے غیر مقلدین اپنے اصلاح کرنے کی بجائے دوسروں کو قرآن وحدیث کا مخالف کہتے پھر رہے ہیں۔

(جاری ہے۔)

ڈاکٹر نادر عقیل انصاری

تہذیبی ارتداد اور محترم جاوید احمد غامدی

احقر ۸۶ء میں جاوید غامدی صاحب سے متعارف ہوا، اور تقریباً بیس برس مختلف حیثیتوں میں ''المورد'' اور اس کی فکر سے وابستہ رہا۔ میں اس دوران المورد کا صدر رہا، ماہنامہ اشراق اور انگریزی ماہنامے ''رینی ساں'' کا مدیر رہا، اور المورد میں پڑھا بھی اور پڑھایا بھی۔ اس تمام مدت کے دوران غور وفکر اور مطالعہ جاری رکھا۔

غالباً ۲۰۰۵ء کے قریب مجھے اس فرقے سے دینی وفکری اختلافات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ غامدی صاحب کے کام میں بعض بنیادی دینی اور علمی سقم ہیں۔ جاوید غامدی صاحب اور المورد کے رفقاء کے ساتھ بہت گفتگوئیں ہوئیں، مذاکرے اور مباحثے ہوئے، حتیٰ کہ تحریری تبادلہ بھی ہوا، جو سنہ ۲۰۱۰ء تک جاری رہا، جس میں درجنوں خطوط کا تبادلہ ہوا۔ لیکن اس تبادلے سے اس فرقے کے بارے میں میرے نتائجِ فکر کی تصدیق ہی ہوئی۔ میری بعض تحریروں سے کچھ قارئین کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ جاوید غامدی صاحب سے میرے اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ منکرِ حدیث تو وہ ہیں ہی، لیکن ان کی اصل غلطی یہ نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ دین کی تمام نصوصِ مطہرہ کو مغربیت کی گاڑی میں جوتنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس اعتبار سے انکارِ حدیث انہیں موافق آیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ہولناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تعبیر پر بھی استعماری جدیدیت کی حاکمیت قائم کرنے کی سعی کی ہے۔ قرآن مجید کی متجددانہ اور استعماری تعبیر اور انکارِ حدیث مقاصد نہیں، ذرائع ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کو جو سب سے بڑا خطرہ درپیش ہے وہ جدیدیت کا تہذیبی، علمی، اور فکری حملہ ہے، جس کے آگے غامدی صاحب دانستہ یا نادانستہ سپر ڈال چکے ہیں۔ وہ مغربی فکر سے کوئی زیادہ واقف نہیں ہیں، لیکن اس کا جو مبتدیانہ فہم رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے ـــ اور اس سے زیادہ مغربی تہذیب کے اقتدار اور غلبہ کی وسعت وگیرائی اور اس کی چکا چوند کے آگے فکری بے بسی کی وجہ سے ـــ اسلام کو مغربی تہذیب کا محتاج تسلیم کر چکے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے دینی نصوص کو اس مقصد میں پوری طرح کھپا دیا ہے۔ مئے فرنگ کے ایک دو گھونٹ لے کر ہی ان کے علم وفکر شل ہو گئے، اور یہ شطحات ان کی زبان سے اسی عالمِ سکر میں صادر ہوئی ہیں:

''اب جہاد لا علائے کلمۃ الحق حرام ہے''، ''ہمارے دور میں جزیے کا نفاذ غیر اسلامی ہے''، قبائلی مسلمانوں کی طاقت ختم کر کے انہیں تحلیل کر دینا چاہئے، زکوٰۃ کا نصاب مقرر کرنے کا حق حکومت کو ہے''، ''توہین رسالت اور ارتداد کی کوئی سزا نہیں''، ''جمہوریت عین اسلام ہے''، ''شادی شدہ زانی و زانیہ کے لیے رجم کی سزا غیر اسلامی ہے''، ''قومی ریاست کوئی کفر نہیں''!

جو اہل علم ان کی دینی آراء سے واقف ہیں وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ اپنے تفردات اور اپنی تمام ما بہ الامتیاز آراء کے نتیجے میں، انہوں نے جدیدیت کے کسی نہ کسی پہلو کو ''قرآنی سند'' مہیا کرنے کی کوشش کی ہے، اور ''حسنِ اتفاق'' سے، ان کے ''اجتہادات'' کا وزن ہر مرتبہ جدیدیت ہی کے حق میں پڑا ہے! مسلمانوں کا ایک کھاتا پیتا اور مغربی تعلیم یافتہ طبقہ عملاً جدیدیت کی ثقافت کو اختیار کر چکا ہے، اور مدت سے اپنے اس ''تہذیبی ارتداد'' پر احساسِ جرم کا شکار چلا آتا ہے

غامدی صاحب نے اس تہذیبی ارتداد کو ''دینی نصوص'' سے مستحکم کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اُن جیسے متجددین کے کام کے نتیجے میں اس طبقے کا یہ احساسِ زیاں رفتہ رفتہ رفع ہو رہا ہے۔ اس طبقے میں ان کی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے۔ بیشک، جدید اسلام کا ایک بڑا therapeutic کردار ہے، یعنی جدید اسلام دراصل ماڈرن مسلمان کے guilt کی دوا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ یہ دوا جرم کو نہیں، احساسِ جرم کو مٹاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں مجرم کو اور بھی زیادہ جری اور بیباک بنا دیتی ہے۔ ☆☆☆☆